www.mohaddis.com

317

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

جنوری ۲۰۰۸ء

۲ تعلیم کے نام پر حکومتی جبر
۲۰ مصحفِ شریف؛ ایک تاریخی جائزہ
۵۵ جاوید احمد غامدی اور انکارِ حدیث

مجلس التحقیق الاسلامی
مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

محدث

لاہور پاکستان

جلد ۴۰ رشمارہ ۱
محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
جنوری ۲۰۰۸ء

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر
حافظ حسن مدنی
0333-4213525

زرسالانہ ۲۰۰/روپے
فی شمارہ ۲۰/روپے

بیرون ممالک
زرسالانہ ۲۰/ڈالر
فی شمارہ ۲/ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
☎: 5866476
5866396
5839404
Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

فہرست مضامین

فکر و نظر

'تعلیم' کے نام پر حکومتی جبر و استحصال — حافظ حسن مدنی — ۲

کتاب و حکمت

مصحفِ شریف؛ ایک تاریخی جائزہ — شیخ عبدالفتاح القاضی — ۲۰

حدیث و سنت

سر ڈھانکنا اور عمامہ پہننا سنتِ رسولؐ ہے — ڈاکٹر ابوجابر دامانوی — ۳۹

تحقیق و تنقید

جاوید احمد غامدی اور انکارِ حدیث — محمد رفیق چودھری — ۵۵

یادِ رفتگان

شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم کوٹلوی — یحییٰ عزیز ڈاہروی — ۶۶

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

'تعلیم' کے نام پر حکومتی جبر و استحصال

وطن عزیز حسبِ سابق سنگین بحرانوں سے دوچار ہے، جہاں ایک طرف سیاست اور الیکشن کا شور و غوغا ہے، وہاں ہلاکت و بربادی اور بدنظمی و لاقانونیت بھی اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔ دہشت گردی نے معصوم عوام سے آگے بڑھ کر نامور سیاستدانوں کو بھی اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اور پاکستان کی سیاست خون آشام ہو چلی ہے اور اس میں ذلت و رسوائی کے ساتھ ساتھ اَب جان ہارنے کی رِیت بھی پختہ ہو رہی ہے۔

یوں تو اس وقت کئی موضوعات اہل نظر کی توجہ کے متقاضی ہیں لیکن ایک دینی جریدہ ہونے کے ناطے ہم ایک ایسے مسئلہ کی طرف اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں جو اِن سنگین مسائل کی تہ میں دَب کر رہ گیا ہے۔ پاکستان کی سیاست میں دین دار طبقے کے اثر و رسوخ کو کنٹرول کرنے کے لئے عرصۂ دراز سے دینی اسناد کی منظوری کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ماضی میں بھی دینی اسناد کی منظوری کو متحدہ مجلس عمل کے خلاف ایک اہم سیاسی ہتھکنڈہ کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا اور جب بھی ایم ایم اے نے کسی مرحلہ پر اپنا سیاسی دباؤ استعمال کرنے کی کوشش کی تو عدالتی فیصلہ کی یہ تلوار اُنہیں اپنے خلاف لٹکتی نظر آئی.....!

موجودہ الیکشن میں جہاں بہت سے دیگر واقعات غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں، وہاں الیکشن کمیشن کا ایک حالیہ فیصلہ بھی انتہائی دوررَس اثرات کا حامل ہے جس میں دینی اسناد کے بارے میں ایک واضح اور فیصلہ کن موقف اختیار کرلیا گیا ہے۔ ذیل میں الیکشن ٹربیونل کے دینی اسناد کے حوالے سے تازہ ترین فیصلہ کے تذکرہ کے بعد اس پر ہمارا تبصرہ اور موقف نذرِ قارئین ہے:

۱۳ر دسمبر ۲۰۰۷ء بروز جمعرات، روزنامہ 'پاکستان' میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق

''لاہور ہائیکورٹ کے الیکشن ٹربیونل کے دو جج صاحبان جسٹس محمد مزمل خاں اور جسٹس سردار محمد

www.KitaboSunnat.com

اسلم نے اپنے فیصلہ میں یہ قرار دیا کہ الیکشن ۲۰۰۸ء میں دینی مدارس کی اسناد کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور ایسے اُمیدوار الیکشن لڑنے کے سلسلے میں نااہل تصور ہوں گے۔ یاد رہے کہ گذشتہ انتخابات کے موقع پر ۲۵/ جولائی ۲۰۰۲ء کو ایک عدالتی فیصلہ کی رو سے دینی اسناد کے حامل اُمیدواروں کو الیکشن لڑنے کی اجازت دی گئی تھی جس فیصلہ کو عدالتِ عالیہ نے اُسی الیکشن کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہوئے آئندہ انتخابات کے لئے ایسے اُمیدواروں کو نااہل قرار دیا۔

فاضل عدالت نے یہ قرار دیا کہ صرف ایسے اُمیدوار انتخابات لڑنے کے اہل ہیں جنہوں نے دینی اسناد کے ساتھ بی اے کی انگریزی اور ایک مضمون کا سرکاری امتحان بھی پاس کیا ہو۔''

یاد رہے کہ گذشتہ ۵ سالوں میں ۶۴ ارکانِ اسمبلی انہی دینی اسناد کی بنا پر منتخب ہوکر اسمبلیوں میں پہنچے تھے لیکن حالیہ فیصلہ کے بعد اَب ایسے امیدوار الیکشن لڑنے کے اہل نہیں رہے۔

دو برس قبل ۲۰۰۵ء میں یونین کونسلوں کے انتخاب کے موقع پر سپریم کورٹ کے سامنے بھی یہی مسئلہ پیش آیا تھا تو اس وقت دینی اسناد کے بارے میں سپریم کورٹ نے واضح موقف اختیار کرنے کی بجائے اس امر کا فیصلہ کیا تھا کہ دینی اسناد کے بی اے کے برابر ہونے کا فیصلہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ہوگا، اور وہ جس سند کو بی اے کے برابر قرار دے گا، اسی اُمیدوار کو الیکشن لڑنے کی اجازت ہوگی۔ اس اُصولی فیصلہ کے بعد ماہِ جون ۲۰۰۶ء کے وسط میں قومی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ضلع ژوب کے ناظم سمیت ۱۶/ ناظمین کو اُن کے عہدے سے صرف اس بنا پر ہٹا دیا گیا کہ ان کے پاس محض دینی تعلیم کی اَسناد تھیں اور جدید علوم کی سندیں موجود نہ تھیں۔ ان ناظموں کی جگہ پر دوسرے نمبر پر آنے والے اُمیدواروں کو عہدۂ نظامت سپرد کردیا گیا۔ اب لاہور ہائیکورٹ کے اس واضح اور دوٹوک فیصلہ کے بعد عملاً دینی مدارس کی اسناد کی علمی حیثیت کو بالکل بے وقعت کردیا گیا ہے۔

دینی جماعتوں کو الیکشن میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں؟ اس بارے میں مختلف آرا ہوسکتی ہیں۔ موجودہ سیاسی عمل کی اسلام میں کس حد تک گنجائش ہے اور اس میں اہل دین کی شرکت سے اسلام کو فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان؟ اس بارے میں بھی مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ لیکن جو چیز ایک نمایاں مظہر کے طور پر سامنے آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ قومی سطح پر وطن عزیز میں دینی

www.KitaboSunnat.com

مدارس سے غیر معمولی امتیاز کی روایت جڑ پکڑتی جارہی ہے اور علم کے حوالے سے وہی پالیسی جاری وساری ہے جو مغرب کے ملحدانہ نظریات کا حاصل ونتیجہ ہے۔ آزادی کے ۶۰ برس بعد بھی صرف اُسی علم اور اہلیت کو مستند گردانا جارہا ہے جو جدید مغربی علوم کے حوالے سے حاصل ہو۔ یہ چیز جہاں ایک مسلمان ہونے کے ناطے بالکل ناقابل قبول ہے کیونکہ قرآن وسنت سے اس تصورِ علم کی کھلی مخالفت ہوتی ہے، وہاں یہ رجحان خالصتاً سیکولر نظریات کا بھی آئینہ دار ہے!

جہاں تک قرآن وسنت کے نظریۂ علم کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل آگے آرہی ہیں۔ ہماری نظر میں پاکستانی عدالت اور ہائر ایجوکیشن کمیشن کے یہ فیصلے سیکولر نظریات سے متاثر ہونے اور اسے اپنانے کا لازمی نتیجہ ہیں جبکہ آئین پاکستان میں سیکولرزم کی اُصولی طور پر کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کیونکہ آئین کی رو سے پاکستان 'سیکولر' کی بجائے ایک اسلامی ملک ہے جس میں قرآن وسنت ہی سپریم لاء ہیں۔ مزید برآں دستورِ پاکستان میں نہ صرف شریعتِ اسلامیہ کے کئی قوانین کو جگہ دی گئی ہے بلکہ پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت، اسلامی نظریاتی کونسل اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی وغیرہ جیسے کئی آئینی اسلامی ادارے بھی موجود ہیں۔

سیکولرزم کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ کسی بھی اجتماعی معاشرتی معاملہ میں مذہب کا حوالہ ناجائز قرار پائے۔ یہ سیکولر نظریات کو اپنانے ہی کا شاخسانہ ہے کہ دینی مدارس کی خدمات کو نہ تو دائرۂ علم میں شمار کیا جاتا ہے، اور نہ ہی وزراتِ تعلیم ان کے لئے تعلیمی پالیسی یا سالانہ بجٹ میں کوئی حصہ رکھتی ہے اور اُنہیں علم کے حوالے سے زیر بحث لانا ہی گوارا نہیں کرتی۔

یہ بھی سیکولر نظریات کو ماننے ہی کا نتیجہ ہے کہ دینی تعلیم کے فاضل حضرات کو اہل علم وفضل ہی شمار نہیں کیا جاتا جبکہ قرآن وحدیث اور ہمارے مسلم معاشرے کے روزمرہ 'عرف' کے اعتبار سے تو 'عالم' کا مصداق ہی دراصل قرآن وسنت کی تعلیم سے بہرہ ور لوگ قرار پاتے ہیں۔

یہ سیکولر نظریات کا ہی کرشمہ ہے کہ فن کے دائرۂ عمل میں بھی اگر کوئی مذہبی حوالہ آجائے تو وہ مذہبی عمل فن کے دائرہ سے نکل کر حکومتی سرپرستی سے بھی محروم ہونے کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فن خوش الحانی جس کی اعلیٰ ترین شکل اگر تلاوتِ قرآن کی صورت میں سامنے آئے تو حکومت کے آرٹس اور کلچر کے ادارے اسے نظرانداز کرنے کی روش اپناتے ہیں لیکن جب یہی

www.KitaboSunnat.com

فن 'گلوکاری' کی شکل میں عشق و مستی اور محبوبہ کے جسم و ادا کا ہوسناک نقشہ کھینچے تو وہ گلوکار 'فنکار' کہلاتا، قومی اثاثہ قرار پاتا اور حکومتی گرانٹ کے علاوہ عوامی مقبولیت کا بھی مستحق ٹھہرتا ہے۔

یہ انہی سیکولر نظریات کا ہی حاصل ہے کہ اقوامِ متحدہ کے ضوابط کی رو سے مذہب کی بنیاد پر کوئی چندہ/ڈونیشن حاصل کرنا ایک جرم ٹھہرتا ہے جبکہ اسلام ہمیں مذہب کی بنیاد پر ہی تمام صدقات وزکوٰۃ کی ترغیب دیتا ہے۔

دورِ حاضر کی دیگر بہت سی ناانصافیوں کی طرح ایک بڑی زیادتی وہ بھی ہے جو تعلیم کے میدان میں مسلمانوں سے برتی جارہی ہے۔ تعلیم کے خودساختہ تصور کے نام پر جہاں ایک طرف منتخب نمائندگان کو حق نمائندگی سے محروم کردیا جاتا ہے، وہاں اس طرح اسلام کے نظریۂ تعلیم سے بھی بہت بڑا مذاق کیا جارہا ہے۔ تعلیم کی اہمیت مسلمہ ہے اور کسی قوم کی تعمیر وتخریب میں اس کا کردار اہم ترین ہے۔ کسی قوم کی تربیت جس نہج پر کرنا مقصود ہو، اس سلسلے میں تعلیم بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ لیکن تعلیم محض ایک عمل کا نام ہے، اصل قابل غور امر یہ ہے کہ تعلیم کن نظریات اور مقاصد کے تحت دی جائے کیونکہ 'تعلیم برائے تعلیم' تو ایک مہمل تصور ہے!

تعلیم کے سلسلے میں بہت سے نظریات پائے جاتے ہیں، بعض لوگ اگر اس کا ہدف طالب علم کی ذاتی فلاح اور آئندہ زندگی میں پیش آنے والی ضروریات کی تکمیل کی بہتر استعداد کو ٹھہراتے ہیں تو کچھ لوگ اسے ریاستی مفادات کے تابع قرار دیتے ہیں۔ تعلیم کے سلسلے میں ایسے ہی مزید کئی نظریات بھی پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل متعلقہ کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ہماری نظر میں ہر قوم کی تعلیم کو اس کے نظریاتِ زندگی کے تابع ہونا چاہئے۔ کسی قوم کے اَفراد جو 'ورلڈ ویو' رکھتے ہیں، اس کے نونہالوں اور نوجوانوں کی تعلیم وتربیت بھی اسی نہج پر ہونی چاہئے۔ ایک پاکستانی ہونے کے ناطے جہاں ہماری تعلیم کو ملکی ترقی اور وطنی استحکام کا باعث بننا چاہئے، وہاں ایک مسلمان ہونے کے ناطے اسے اسلام کے نظریۂ حیات سے بھی کلی طور پر ہم آہنگ ہونا چاہئے یعنی تعلیم ایسی ہو جو اسلامی تقاضوں کے مطابق ہمیں اچھا مسلمان بنا سکے اور ہماری دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی سنور جائے۔

پاکستان کے اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے سے اہالیانِ پاکستان پر یہ فرض بھی

www.KitaboSunnat.com

عائد ہوتا ہے کہ ہماری تعلیم ایسی ہو جو اس مملکتِ خداداد کو حقیقی معنوں میں اسلام کا گہوارہ بنا دے۔ لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ تعلیم کے کئی ایک تصورات سے ہٹ کر ہماری حالیہ قومی تعلیمی پالیسی اور عدالتی فیصلے اس وقت گلوبلائزیشن کے عالمی ایجنڈے اور نیو ورلڈ آرڈر کے مفادات کے تابع ہوتے جارہے ہیں۔ ہر گہری نظر رکھنے والا شخص تعلیم کے میدان میں قومی سطح پر اپنائے جانے والے ان رجحانات کا بآسانی مشاہدہ کرسکتا ہے۔

'علم' کا مصداق: قرآن وسنت کی روشنی میں

جہاں تک اسلام کے نظریۂ تعلیم کا تعلق ہے تو یہ مغرب کے تعلیمی نظریہ سے کئی لحاظ سے بالکل مختلف ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل مغرب یک دنیوی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہیں اور سیکولرزم پر یقین رکھنے کے باعث تعلیم میں الٰہیات کا عمل دخل درست قرار نہیں دیتے جبکہ مسلمان دنیا اور آخرت پر ایمان رکھنے کے سبب اسلامی ہدایات کی روشنی میں ہی اپنے نظریۂ تعلیم کو استوار کرتے ہیں۔ مسلمان بچوں کو دی جانے والی تعلیم لازماً مذہبی تعلیمات سے ہم آہنگ اور اسلامی اہداف ومقاصد پر مبنی ہونی چاہئے۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے تعلیم کے مغربی نظریہ کی تردید کرکے نبی آخر الزماں ﷺ کو ایسی تعلیم سے پرے رہنے کا حکم دیا ہے جس کا مقصد فقط اِس دنیا کا مفاد ہو۔ سورۃ النجم میں ارشادِ باری ہے:

﴿ فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا * ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴾ (النجم:۲۹)

''اے ﷺ! جو میرے ذکر سے منہ موڑتے ہیں اور صرف دنیوی زندگی کے طالب ہیں، ان سے اِعراض کر، ان کے عِلم کا مقصد وہدف تو بس اتنا ہی ہے۔ تیرا ربّ زیادہ جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہے اور کون ہدایت یافتہ.....؟''

اس آیت میں واضح طور پر اس مغربی نظریۂ تعلیم کی نفی کی گئی ہے اور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرکے مسلمانوں کو ایسے مقصدِ تعلیم سے اِعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا ہدف محض دنیا ہو اور جو اللہ کے ذکر سے خالی ہو.....!

www.KitaboSunnat.com

قرآنِ کریم مسلمانوں کو جو نظریۂ تعلیم دیتا ہے، وہ پہلی وحی میں موجود ہے لیکن افسوس کہ اس کے پہلے جملے سے آگے بڑھنے کا تکلف ہی گوارا نہیں کیا جاتا۔ پہلی وحی اِقرأ ہے اور اسی کے نام سے ہمارے ہاں اِقرأ سرچارج بھی عائد کیا گیا ہے، لیکن اس اِقْرَأ کا ہدف قرآن نے کیا قرار دیا ہے؟ اس کے لئے پہلی وحی کی آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ * خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ * اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ * الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ * عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ * كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى * اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى * اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴾ (العلق:۱تا۸)

''پڑھ، اس ربّ کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا ربّ بہت عزت والا ہے جس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ جانتا نہیں تھا۔ سچ مچ، انسان تو سرکشی کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو غنی خیال کرتا ہے لیکن آخرکار اسے تیرے ربّ کے پاس تو لوٹ کر جانا ہی ہے۔''

پہلی وحی کا مفہوم واضح ہے لیکن قرآن کے فلسفہ تعلیم کے مزید نکھار کے لئے اسے حسب ِذیل تین نکات میں پیش کیا جاتا ہے:

① تعلیم اس ربّ کے نام سے ہونی چاہئے جو انسان کا خالق ہے۔ گویا تعلیم کو خالق کی ہدایات اور رہنمائی پر اُستوار ہونا چاہئے۔

② اس معزز ربّ کے نام سے علم سیکھو جس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ جانتا نہیں تھا۔ گویا علم کا بنیادی ذریعہ اللہ کی وحی اور اِلہامی ہدایات ہیں۔

③ جو لوگ بے فکر ہو کر اس تعلیم کی پروا نہیں کرتے، اُنہیں ایک روز ربّ کے پاس تو جانا ہی ہے۔ گویا ایسی تعلیم حاصل نہ کرنا بے فکری کی دلیل ہے جس پر روزِ محشر، پکڑ کی وعید ہے۔

ہمارے ہاں مغرب کے نظریۂ تعلیم اور نصاب ونظامِ تعلیم سے متاثر ہو کر لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات سیکھنے کو عِلم کے زمرے میں ہی شمار نہیں کرتے لیکن قرآن کا فیصلہ اس سے یکسر مختلف ہے، آیئے دیکھیں قرآن نے علم کا اطلاق کس پر کیا ہے؟ قرآنِ کریم علم کا اطلاق وحی اور الہامی ہدایات پر کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد سے فرمایا:

﴿ يَا اَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَاءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ اَهْدِكَ صِرَاطًا

www.KitaboSunnat.com

سَوِيًّا * يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴾

''اباجان! میرے پاس وہ عِلم آیا ہے، جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ میری بات مانیں تاکہ میں آپ کو سیدھے رستے پر لے چلوں۔ اباجان! شیطان کی پیروی مت کریں، وہ تو ربّ کا نافرمان ہے۔'' (مریم:۴۳،۴۴)

اس آیت میں واضح طور پر علم کا مصداق وحی الٰہی کو قرار دیا گیا ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم کے پاس آنے والی چیز وحی کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔

اور نبی کریم ﷺ کو یوں خطاب فرمایا گیا اور ساتھ یہ وعید سنائی گئی ہے:

﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ ﴾ (البقرۃ:۱۲۰)

''اگر تو نے علم آجانے کے بعد ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ سے تجھے بچانے اور مدد دینے والا کوئی نہ ہوگا۔''

ان آیاتِ کریمہ میں عِلم کا اطلاق کسی جدید علم مثلاً سائنس و ٹیکنالوجی پر کرنے کی بجائے اس شے پر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل ہوتی ہے یعنی 'وحی'!

جدید مغربی علوم اور اسلامی علوم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جدید علوم انسان کے مشاہدے اور تجربے کا حاصل ہیں اور ان کا مطمحِ نظر انسان کے دنیوی مفادات تک ہی محدود ہے جبکہ اسلام کی نظر میں علم یوں تو مشاہدے اور تجربے سے بھی حاصل ہوتا ہے لیکن علم کی اعلیٰ اور حتمی ترین شکل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی صورت میں ملتی ہے۔ کیونکہ مشاہدے کی صورت میں تو حاصل ہونے والے علم میں غلطی کا امکان یا بہتری واصلاح کی گنجائش برقرار رہتی ہے جبکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ علم میں قیامت تک کسی کوتاہی یا غلطی کا کوئی شائبہ بھی موجود نہیں۔ یوں بھی اللہ کا عطا کردہ علم دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی کامیابی کو بھی شامل ہے۔

اس سلسلے میں مسلمانوں کے برعکس غیر مسلموں کا رویہ فکری جبر اور انتہا پسندی پر مبنی ہے کیونکہ ایک طرف مسلمان 'علم' کے مآخذ کو مشاہدے اور تجربے سے خارج قرار نہیں دیتے لیکن علم کی اعلیٰ اور حتمی ترین شکل الہامی علم یعنی وحی کو سمجھتے ہیں۔ یہ علم نہ صرف حتمی ہے بلکہ اسلامی اعتقاد کے مطابق مسلمان کے ایمان واعتقاد کی بھی اساس قرار پاتا ہے۔ دوسری طرف اہل

www.KitaboSunnat.com

مغرب وحی والہام کی بنیاد پر حاصل ہونے والے علم کو تخیل یا واہمہ Myth سے زیادہ حیثیت دینے کے روادار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر ایسی تحقیق کو جو وحی الٰہی کی بنیاد پر قائم ہو، دائرۂ تحقیق سے ہی خارج قرار دیتے ہیں۔

اہل مغرب کے اس تصور کی دو زمینی وجوہات ہیں: ایک تو ان کے مذاہب میں واقعتاً جو چیزیں وحی والہام کے طور پر موجود ہیں، وہ درحقیقت تحریف شدہ اوران کے اَحبار ورُہبان کے واہمات وتخیلات کا ہی نتیجہ ہیں۔اس لحاظ سے اپنے مذہب کے حوالے سے ان کا یہ رویہ بالکل درست اور منطقی ہے۔ دوسرے، اگر وہ مسلمانوں کے نبی کریمﷺ کے بیان کردہ حقائق جو قرآن وسنت کی شکل میں ہیں، کی مستند حیثیت کو تسلیم کرلیں تو اسلام قبول کیوں نہ کرلیں؟ ہم مسلمانوں کا ان اِلہامی حقائق کو تسلیم کرنا تو ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کیونکہ قرآن کی آیت یا نبیؐ کے فرمان کو دل وجان سے تسلیم نہ کرنے والا شخص مسلمان ہونے کا حقدار ہی نہیں رہتا!

الغرض علم کے میدان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تصورات میں بہت سے زمینی فرق موجود ہیں، لیکن ہمارے جدید تعلیم یافتہ مسلمان ان کو نظر انداز کرتے ہوئے مغرب کے نظریۂ علم پر ایمان لے آتے ہیں، اور اسلام کا نام لینے کے باوجود اپنے عمل سے یہی ثابت کرتے ہیں کہ واقعتاً وہ بھی نعوذ باللہ قرآن وسنت پر مبنی علم کو واہمہ سے زیادہ حیثیت دینے کو بالکل تیار نہیں اور اس علم کے حامل لوگوں کو اس منصب واہلیت پر فائز نہیں سمجھتے کہ وہ قوم کے اجتماعی مسائل میں رہنمائی کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ یہ تصور اور سوچ ایک مسلمان کے لئے انتہائی مکروہ اور گھناؤنی ہے.....!!

☜ قرآنِ کریم تو اُنہیں ہی اہل علم قرار دیتا ہے جن کے علم کا نتیجہ اللہ پر ایمان اور اس کی خشیت کی شکل میں سامنے آئے۔ درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

﴿وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (آلِ عمران:۷)

''علم میں پختہ کار لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، ہر شے تو ہمارے ربّ کی طرف سے ہے۔''

ایسے ہی: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (الفاطر:۲۸)

www.KitaboSunnat.com

''علم رکھنے والے ہی اللہ کی خشیت اختیار کرتے ہیں۔''

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی زبان میں علم کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اللہ پر ایمان لائے اور اللہ سے ہی ہر خیر کی اُمید رکھے۔ گویا جس علم سے اللہ کی خشیت حاصل نہ ہو، وہ علم کا حقیقی مصداق نہیں ہے۔ اسی سے قرآن وسنت کے مقابلے میں جدید علوم کی حیثیت اور حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ قرآن ایک چیز کو صراحت کے ساتھ علم قرار دیتا ہے لیکن ہمارے حکمران قرآن وسنت کی تعلیمات سے باخبر علما کو بے علم ہونے کا طعنہ دے کر صرف اُنہیں ہی علم والا قرار دیتے ہیں جنہیں یورپ سے مستند اور منظور شدہ تعلیمی سندات حاصل ہوں لیکن یاد رکھئے کہ اللہ کے ہاں ایسے علم کی کوئی قدر و قیمت نہیں!

تعلیم یافتہ ہونے کا یہ فیصلہ تو مغرب نواز 'مسلم' حکمرانوں اور اربابِ اختیار کا ہے لیکن قرآن کا نظریۂ تعلیم اس کے برعکس ہمیں محض دنیاوی مفادات کے تابع اور اللہ کی یاد سے خالی علم سے کنارہ کش ہونے کا حکم دیتا ہے بلکہ دینی علم سے گریز کرنے پر روزِ محشر کی وعید کا بھی اضافہ کرتا ہے، جیسا کہ پیچھے سورۃ النجم کی آیات گزر چکی ہیں۔

یہ ہے تعلیم وتعلّم کے میدان میں مغرب کا فکری جبر جسے ہمارے ہاں جدید تعلیم یافتہ لوگوں نے لفظ بہ لفظ اختیار کر رکھا ہے۔ افسوس کہ مغرب کی یہ ذہنی غلامی مسلمانوں کو ان کی اساس سے کاٹنا اور حقیقی اہل علم کو 'لاعلمی' کا طعنہ دے کر انسانوں کی نمائندگی سے محروم کرنا چاہتی ہے۔

حدیثِ نبوی کا نظریۂ تعلیم بھی ملاحظہ ہو:

نبی کریم ﷺ نے اپنا مقصدِ بعثت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«إنما بُعِثتُ مُعَلِّمًا » (سنن ابن ماجہ:۲۹۹)☆

''مجھے علم سکھانے والا یعنی اُستاد بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

غور طلب امر یہ ہے کہ آپ نے اپنی اُمت کو کس چیز کی تعلیم دی؟ زندگی گزارنے کا طریقہ☆، انسانوں سے میل جول کے آداب، اللہ اور بندوں کے حقوق وفرائض۔ یہ وہ تعلیم تھی

☆ یہ فرمان متعدد کتبِ حدیث میں ایک لمبی روایت کے آخر میں بیان ہوا ہے لیکن تمام روایات کی اسناد ضعف سے خالی نہیں، بہرحال اس حدیث کے مفہوم کی تائید اور تشریح دیگر احادیث اور قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (البقرۃ:۱۲۹) کہ ''آپ اُنہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔''

www.KitaboSunnat.com

جس نے بادیہ نشین عرب کو دنیا کی قیادت وسیادت کا وارث بنادیا۔ اس تعلیم نے اُنہیں جہانبانی کے آداب بھی سکھائے اور ایسا معاشرہ قائم کردیا کہ وہ پرسکون معاشرہ اور فلاحی ریاست چودہ صدیوں کے بعد، اس چکا چوند ترقی کے دور میں بھی ایک خواب نظر آتا ہے۔ وہ دور جب بندوں سے کوئی مانگنے والا نہ ملے اور ہر ایک کی ضروریات اس کی دہلیز پر پوری ہوتی ہوں۔ لیکن افسوس کہ اس تعلیم کی اہمیت سے بے بہرہ آج کے حکمران دربارِ رسالتؐ سے ملنے والے اس علم کو 'علم' ہی تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کی آنکھیں مغرب کی پرفریب ترقی نے خیرہ کررکھی ہیں جس کا ظاہر بڑا دل فریب اور دیدہ زیب لیکن اندر انسانیت سسکتی ہے اور فطری جذبے پامال کئے جاتے ہیں؛ وہاں چین وسکون عنقا اور زندگی کی خوشیاں اور اطمینان گم کردہ متاع ہیں۔ ایک اور فرمانِ نبویؐ ہے کہ

«وإن العلماء ورثة الأنبياء وإن الإنبياء لم يورثوا دينارًا ولا درهمًا، ورثوا **العلم** فمن أخذه أخذ بحظ وافر » (سنن ابوداؤد:۳۶۴۱'صحیح')

''علما ہی انبیا کے وارث ہیں۔ نبیوں نے اپنے پیچھے درہم ودینار کی وراثت نہیں چھوڑی، اُنہوں نے اپنے پیچھے علم چھوڑا ہے۔ جس نے یہ عِلم سیکھا، گویا اس نے متاعِ گراں مایہ حاصل کی۔''

اس حدیثِ نبوی میں علم کو انبیا کی وراثت قرار دیا گیا ہے، لیکن اس علم سے کون سا علم مراد ہے جو انبیا کی وراثت ہے؟ انبیا کی وراثت شریعتِ اسلامیہ کا علم ہے جیسا کہ نبی کریمﷺ کے صحابی حضرت ابوحاتمؓ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"في هذا الحديث بيان واضح أن العلماء الذين لهم الفضل الذي ذكرنٰهم الذين يعلمون علم النبي ﷺ دون غيره من سائر العلوم ألا تراه يقول «العلماء ورثة الأنبياء » والأنبياء لم يورثوا إلا العلم وعلم نبينا ﷺ

☆ حضرت سلمانؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: قيل له قد علَّمكم نبيكم ﷺ كل شيء حتى الخراءة قال فقال: أجل لقد نهانا أن نستقبل القبلة لِغائط أو بول أو أن نستنجي باليمين أو أن نستجي بأقل من ثلاثة أحجار أو أن نستنجي برجيع أو بعظم (مسلم:۲۸۵)

''انہیں کہا گیا کہ تمہارے نبیﷺ نے تو تمہیں ہر چیز کی تعلیم دی ہے، حتیٰ کہ تمہیں قضاے حاجت تک کا طریقہ سکھایا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا: بالکل، ہمیں ہمارے نبیﷺ نے قبلہ رخ ہوکر پیشاب وپاخانہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے، تین سے کم پتھروں سے استنجا کرنے یا گوبر اور ہڈی سے بھی استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

سنّته فمن تعرى عن معرفتها لم يكن من ورثة الأنبياء" (صحیح ابن حبان: ۸۸ 'صحیح')

''اس حدیث میں واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسے فضیلت والے علما جن کا ہم نے ابھی تذکرہ کیا ہے، وہ ہیں جو دیگر تمام علوم کو چھوڑ کر علم نبویؐ سیکھتے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آپ ﷺ نے علما کو انبیا کا وارث قرار دیا ہے اور انبیاے کرام نے علم کے سوا کوئی وراثت نہیں چھوڑی؟ ہمارے نبی ﷺ کی وراثت آپ کی سنتِ مطہرہ ہے۔ جو سنتِ مطہرہ کے علوم سے غافل ہے، وہ انبیا کا وارث نہیں ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیچھے کیا چھوڑا ہے، اس ترکہ کا تذکرہ آپؐ کی اپنی زبانی سنئے:

«تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكم بهما: كتاب الله وسنة نبيه »

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اگر اُنہیں مضبوطی سے تھامے رکھا: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت'' (موطا امام مالک: رقم:۱۵۹۴ 'حسن')

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ آج بھی مسلم معاشرے میں جو مقام ایک مخلص وتقی اور باعمل عالم دین کو دیا جاتا ہے، اس کے مساوی کوئی اور مرتبہ نہیں ہوتا لیکن یہ اس کی ذاتی شان وشوکت نہیں بلکہ اس کلامِ الٰہی کی برکت اور فرمانِ نبویؐ کا فیض ہے کہ لوگ ان سے پہلوتہی نہیں کرسکتے (البتہ دین کا علم رکھنے والے جو لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو ان کی وعید بھی عوام الناس کی نسبت بہت سنگین ہے)۔ علم نبویؐ کا مقام ومرتبہ بڑا ہی عظیم الشان ہے جس کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

أهل الحديث هم أهل النبي وإن لم يصحبوا نفسه أنفاسه صحبوا

''حدیثِ نبویؐ کا دن رات وِرد کرنے والے نبی کریم ﷺ کے اہل وعیال ہیں جنہیں صحبت کا شرف تو حاصل نہیں، لیکن ان کے سانس ہمہ وقت آپ کی باتوں سے معطر رہتے ہیں۔''

مراد یہ ہے کہ جو شخص دن رات کلامِ الٰہی اور فرمانِ نبویؐ میں بسر کرتا ہو، وہ گویا اللہ سے ہم کلام اور صحبتِ نبویؐ سے مشرف رہتا ہے، اور اس کا مقام نبی کریم ﷺ کے 'اہل' کا ہے۔ اسی سے علما کے مقام ومرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے علم حاصل کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«من سلك طريقًا يبتغي فيه علمًا سلك الله له طريقًا إلى الجنة وإن

www.KitaboSunnat.com

الملائكة لتضع أجنحتها رضًا لطالب العلم وإن العالم ليستغفر له مَن في السموات ومن في الأرض حتى الحيتان في الماء وفضل العالم على العابد كفضل القمر على سائر الكواكب » (جامع ترمذی:۲۶۸۲'صحیح')

''جو شخص عِلم سیکھنے کے رستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے رستہ پر چلا دیتے ہیں اور طالب علم کے اعزاز واکرام میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اور عالم دین کے لئے اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان میں موجود ہر چیز استغفار کرتی ہے حتیٰ کہ پانی میں موجود مچھلیاں بھی۔ عالم کا کسی عبادت گزار سے مقام و مرتبہ میں وہی فرق ہے جیسے چاند تمام ستاروں میں نمایاں ہوتا ہے۔''

مذکورہ بالا احادیث کے مفہوم پر ذرا سا بھی غور کریں تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ کس علم سے جنت کا راستہ ہموار ہوتا اور کس علم کے لئے فرشتے اپنے پر فرشِ راہ کئے دیتے ہیں۔ وہ علم جو اللہ کی بجائے دنیا پروری سکھائے اور مادّی منفعت کے پیش نظر سیکھا جائے، کیا یہ اس کے درجات وفضیلت کا بیان ہے یا اس علم کے درجات کا جو اللہ کی رضا، اس کی عبادت اور اس کی عطا کردہ رہنمائی کو سمجھنے کے لئے حاصل کیا جاتا ہو.....؟

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ

«من يُّرِدِ الله به خيرًا يفقهه في الدين » (صحیح بخاری:۷۱،۳۱۱۶،۷۳۱۲)

''جس سے اللہ خیر خواہی کا ارادہ فرماتے ہیں، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔''

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ اور اس کی فقاہت وعلم اللہ کا بہت بڑا احسان اور اس کی اپنی بارگاہ میں پسندیدگی کا نتیجہ ہے۔ ایسے اہل علم کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اپنی ذاتِ عزوجل اور اپنے رسول ﷺ کے ساتھ کیا ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾

''اللہ نے خود بھی اس بات کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی راستی اور انصاف کے ساتھ یہی گواہی دی ہے۔'' (آل عمران:۱۸)

اسلام نہ صرف علم پرور اور علم دوست دین ہے، بلکہ ہر مسلمان پر علم سیکھنے کو فرض بھی قرار دیتا ہے، فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

www.KitaboSunnat.com

«طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم » (سنن ابن ماجہ: ۲۲۰ 'صحیح')

''ہر مسلمان پر علم سیکھنا فرض ہے۔''

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں اس فرضِ علم کا تعین بھی بخوبی ہوجاتا ہے کہ اس سے علم حقیقی یعنی علم دینی مراد ہے کیونکہ جہاں تک علومِ آلیہ ہیں، مثلاً لکھنا پڑھنا یا جدید سائنسز مثلاً ریاضی، فزکس کیمسٹری وغیرہ تو وہ کئی صحابہؓ کے علاوہ خود نبی ﷺ کو بھی معلوم نہیں☆ تھے۔

آج ہر سکول کے صدر دروازے پر یہ فرمانِ نبویؐ تو آویزاں نظر آتا ہے لیکن اس کے مفہوم پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس فرمان سے مراد سراسر دینی علم ہے کیونکہ ظاہر سی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ نے اس فرضِ علم کو حاصل کیا تھا، وگرنہ وہ سارے اس فرضِ علم کو ترک کرنے کی بنا پر گناہ گار ٹھہرتے اور خیرالقرون کا مصداق بننے سے بھی محروم رہتے۔ اب غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ صحابہؓ میں سے گنتی کے چند لوگ⊙ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، البتہ سب لوگ دین کا ضروری علم لازماً جانتے تھے۔ اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس حدیثِ مبارکہ کا مصداق کون سا علم ہے جو ہر مسلمان پر سیکھنا فرض ہے۔ آج بحیثیتِ قوم ہم مسلمانوں کے پیچھے رہ جانے کی وجہ اپنے دین سے دوری اور اسلامی عقائد ونظریات سے لاعلمی ہے جس کے پس پردہ دراصل اس فرضِ تعلیم کو چھوڑنے بلکہ نظر انداز کرنے کی سنگین کوتاہی کارفرما ہے۔ ہر مسلمان پر کس قدر دینی علم فرض ہے؟ اس کی تفصیل ہم آئندہ کسی مضمون میں مستقل طور پر زیر بحث لائیں گے۔ ان شاء اللہ

☆ علم کو لازماً لکھنے پڑھنے کے ساتھ مشروط سمجھنا سطحی انداز ہے، کیونکہ بہت سے نابینا لوگ بھی لکھنے پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لیکن وہ حافظِ قرآن سے مفتی اعظم تک بنتے رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ علم وفضل میں بلند ترین شان رکھتے ہیں اور معلم انسانیت ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم کو کہیں سے نقل کرلانے کے اِلزام کا جڑ سے خاتمہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنا پڑھنا نہیں سکھایا، یہی راجح مسلک ہے، قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾

''اے نبی! اس سے قبل آپ کو لکھی چیز پڑھ نہیں سکتے تھے، نہ ہی اپنے داہنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے، مبادا یہ کہ آپ کو جھٹلانے والے شک وشبہ کا شکار نہ ہوجائیں۔'' (العنکبوت، ۴۸)

⊙ دیکھئے اسی شمارہ میں شائع شدہ مضمون 'مصحف شریف؛ ایک تاریخی جائزہ' کا صفحہ اوّل

www.KitaboSunnat.com

علم..... دینی اور دنیاوی؟

مذکورہ بالا بحث کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ علم کو صرف کتاب وسنت میں ہی محدود ومنحصر کردیا جائے اور اس کے علاوہ دیگر علوم کو علم کے زمرہ سے ہی خارج سمجھا جائے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اصل اور حقیقی علم جس کی شان اور فضیلت دوسرے علوم سے زیادہ ہے، وہ کتاب وسنت کا علم ہے۔لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں اس بنیادی اور افضل☆ ترین علم کو ہی لاعلمی قرار دیا جارہا ہے اور اس کے فروغ کی حکومتی ذمہ داری پوری کرنے کی بجائے اس کا خاتمہ کرنے کی سعی مذموم عرصۂ دراز سے جاری ہے۔اسی مغالطے کے ازالے کے لئے ہی مذکورۃ الصدر آیات واحادیث کا تذکرہ کیا گیا۔

دیگر تجرباتی علوم کے سلسلے میں اسلام کا نظریۂ تعلیم یہ ہے کہ ہر شعبۂ حیات میں تعلیم وتعلّم کے اَہداف ومقاصد اور اس کا فلسفہ ونظریہ کتاب وسنت سے حاصل کیا جائے، اور اس کی روشنی میں ہی آگے بڑھا جائے۔یوں تو کتاب وسنت میں تمام مشاہدات وتجربات کی تفصیل موجود نہیں ہے، لیکن ان مظاہر فطرت کی جستجو کرنے کی خوب خوب حوصلہ افزائی بلکہ دعوت واِصرار پایا جاتا ہے۔اگر ہر شعبۂ علم کے فلسفہ واَہداف کا تعین قرآن وسنت کی روشنی میں کردیا جائے تو پھر علوم کی دینی ودنیاوی تقسیم ہی باقی نہیں رہتی۔یاد رہے کہ دینی اور دنیوی علوم کی یہ ثنویت مغربی نظریۂ تعلیم کے باعث مسلمانوں میں پیدا ہوئی ہے جہاں علم کے میدان سے مذہب کو نکال کر صرف انسانی ضروریات اور تعیّشات کے لئے نظامِ تعلیم کو محض مادّی بنیادوں پر استوار کردیا گیا جس کے نتیجے میں علم کی دو قسمیں ہوگئیں۔

تعلیم کو دینی ودنیاوی تقسیم میں بانٹنے کی بجائے اسے پیش نظر مقاصد واہداف کے لحاظ سے

☆ دینی تعلیم کی افضلیت پر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ملاحظہ ہو:«خیرکم من تعلم القرآن وعلّمه»
''تم میں سب سے بہترین وہ ہے کہ قرآن سیکھتا اور اسے سکھاتا ہے۔'' (صحیح بخاری:۴۶۳۹)
اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
«لا حسد إلا في اثنتين رجل آتاه الله مالا فسلطه على هلكته في الحق ورجل آتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويُعلِّمها» (صحیح بخاری:۷۳) ''دو قسم کے آدمی قابل رشک ہیں، ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال سے نوازا اور وہ اسے حق کی راہ میں لٹاتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (دینی علم) سے بہرہ ور فرمایا اور وہ اسی کے ساتھ فیصلے کرتا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

دیکھنا چاہئے۔ مقاصد واہداف کی اہمیت اس قدر مسلم ہے کہ اس کی رو سے حضرت زیدؓ بن ثابت کا سریانی زبان سیکھنا بھی عظیم دینی خدمت قرار پاتا ہے اور غیر مسلموں (مستشرقین) کا اعتراض کی نیت سے قرآن وسنت سیکھنا بھی دین دشمنی بن جاتا ہے۔ ایسے ہی اسلام نے بھی دینی علم کو دنیاوی مفادات کے تحت سیکھنے پر سنگین وعید سنائی ہے۔☆

اسلام نے کسی بھی مفید علم کو ناجائز قرار نہیں دیا۔ مسلم ذخیرۂ علم میں علوم کو دو قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے: ایک علم نافع اور دوسرا علم غیر نافع۔ چنانچہ ہر وہ علم جو مسلمان کے عقیدہ وعمل کے اعتبار سے نفع بخش ہے، وہ سیکھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی غیر معمولی ترغیب بھی ملتی ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی بہت سے دعاؤں میں جہاں علم نافع کی دعا فرمائی ہے، مثلاً «اللهم إني أسئلك علمًا نافعا ورزقًا طيِّبًا وعَمَلاً مُّتقبَّلا »(سنن ابن ماجہ:۹۲۵،صحیح) وہاں غیر نافع علم سے اللہ کی پناہ بھی طلب کی ہے۔ جیسا کہ آپؐ کی ایک لمبی دعا میں یہ الفاظ موجود ہیں:

«وأعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لايخشع ..... » الخ

''باری تعالیٰ! مجھے ایسے علم سے پناہ دینا جو نفع بخش نہ ہو اور ایسے دل سے عافیت دینا جو تیری خشیت سے خالی ہو۔الخ'' (صحیح مسلم:۴۸۹۹)

چنانچہ اسلام کا اپنے ماننے والوں سے جہاں یہ تقاضا ہے کہ وہ انسان کی اوّلین اور اساسی ضرورت یعنی 'مذہب' کی تعلیم حاصل کریں، وہاں مسلم معاشروں کی دیگر ضروریات کی تعلیم حاصل کرنا بھی فرضِ کفایہ ہے تاکہ معاشرہ مناسب طور پر ہر شعبہ زندگی میں آگے بڑھ سکے، مثلاً دفاع وتحفظ کے نقطہ نظر سے ان حربی میدانوں میں بھی سائنس وٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنا اسلامی فریضہ ہے جس کے ذریعے اسلام کا دفاع کیا جاسکے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے وسائل میسر آسکیں۔

اس کے باوجود دینی علوم براہِ راست دین ہونے کے ناطے افضلیت رکھتے ہیں۔ البتہ

☆علم دین کو دنیاوی مقاصد کے تحت حاصل کرنا حرام ہے، فرمانِ نبویؐ ہے: «من طلب العلم ليُجاري به العلماء أو ليُماري به السفهاء أو يَصرفَ به وجوه الناس إليه أدخله الله النار » ''جو شخص اسلئے علم سیکھتا ہے کہ علما میں اس کا شمار کیا جائے یا نادانوں کے ساتھ وہ بحث مباحثہ کرے اور لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھیر کر بلند مقام پائے تو اللہ اس کو آگ میں داخل کریں گے۔(ترمذی:۲۶۵۴'حسن') اس حدیث میں بھی علم کا غالب مصداق دینی علم کو ہی قرار دیا جاسکتا ہے یا اس کو تمام علوم پر پھیلا لیا جائے؟

www.KitaboSunnat.com

دیگر علوم کو دینی مقاصد کے تابع ہونے کی وجہ سے باعثِ ثواب قرار دیا جاتا ہے۔ ہر دو میں ایک توازن اور حفظِ مراتب ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔ اسلامی نقطہ نظر سے جس دین کی حفاظت اور فروغ کے لئے جدید علوم سیکھنے کی ضرورت ہے، سب سے پہلے اسی دین کی تعلیم وتعلّم کے ساتھ چند ممتاز لوگوں کو وابستہ ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدمؑ کو دنیا میں بھیجتے ہوئے اُنہیں نبوت ورسالت سے بھی سرفراز فرمایا کیونکہ مقصدِ حیات اور زندگی کو بسر کرنے کا طریقہ انسان کی اوّلین ضرورت ہے، اور یہی دین کا اصل موضوع ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

① دینی علوم کو دیگر علوم پر فضیلت ومرتبہ حاصل ہے اور مسلم معاشرے میں سب سے پہلے ان کے سکھانے کا انتظام ہونا چاہئے کیونکہ انسان کی اوّلین ضرورت انہی سے وابستہ ہے۔

② معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کیلئے دیگر علوم سیکھنے بھی ضروری ہیں، لیکن ان علوم کے اہداف ومقاصد کا تعین لازماً اسلامی ہدایات کی روشنی میں ہی کیا جائے گا، میسر احکامات ورجحانات سے بھی بھرپور استفادہ کیا جائے گا اور حالات کے پیش نظر تمام علوم میں ایک توازن برقرار رکھا جائے گا۔ موجودہ زمانے میں علومِ اسلامیہ کو ایک شعبہ میں محصور کرکے تمام دیگر علوم کو اسلامی رہنمائی سے محروم کردینا کسی طور درست نہیں۔

③ علوم کو دینی ودنیاوی میں بانٹنے کی بجائے مقاصد کے پیش نظر تقسیم کیا جائے، دینی علوم براہِ راست دین سے وابستہ ہونے کی بنا پر زیادہ باعثِ ثواب ہیں، البتہ دینی مقاصد کے تحت سیکھے جانے والے علوم بھی نیک مقاصد کی وجہ سے عنداللہ اجر کے مستحق ہوں گے۔ محض دنیا کمانے اور اللہ کی یاد سے غافل کرنے والے علوم کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

ایک طرف تعلیم وتعلّم کے میدان میں قرآن وسنت کے نظریات یہ ہیں اور دوسری طرف ہمارے مسلمان اربابِ اختیار کی دانش وحکمت کا یہ حال ہے کہ وہ قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کرنے والوں کو علم سے ہی بے بہرہ خیال کرتے ہیں۔ اور اُنہیں لاعلمی کے الزام میں عوام کی نمائندگی کے حق سے ہی برطرف کرنے کے احکامات صادر کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے حکمرانوں سے نجات دلائے جن کی عقل وفکر کے پیمانے مغرب سے مستعار لئے ہوئے ہیں اور جنہیں 'اسلام' کے نام کے علاوہ کسی اسلامی نظریے کی خبر تک نہیں!!

www.KitaboSunnat.com

آغاز میں ذکر کردہ ناظمین کی اپنے عہدوں سے سبکدوشی اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا اور الیکشن ٹریبونل کا حالیہ فیصلہ بھی جدید مغربی تعلیم کے پروردہ لوگوں کی طرف سے کوئی پہلا گھاؤ نہیں۔ جب سے مسلم امہ سیاسی طور پر مغلوبیت کا شکار ہوئی ہے، اس وقت سے غیروں کی خصوصی 'نظر عنایت' کا مستحق مسلمانوں کا 'نظام علم' ہی رہا ہے۔ افسوس تو اس امر پر ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان میں تعلیم کی وزارت بھی ہمیشہ ایسے لوگوں کے قبضے میں رہی ہے جو مغربی مفادات کے اسیر بلکہ محافظ اور داعی رہے ہیں۔ جاوید اشرف قاضی کے تعلیم کے ضمن میں بیانات کے زخم ابھی بھرے نہیں تھے کہ یہ دل دوز خبر بھی سننے کو ملی کہ پنجاب کی نگران حکومت میں وزراتِ تعلیم کا قلمدان تہذیبِ مغرب اور فتنۂ اباحیت کے مرکز کنیئرڈ کالج کی مشہورِ زمانہ عیسائی پرنسپل میرا فیلبوس کے سپرد کردیا گیا ہے۔

شہر علم 'لاہور' میں جو اسلامی تہذیب کا عظیم مرکز بھی ہے، دینی تعلیم کے کسی ادارے کے پاس اس اثر ورسوخ کا عشر عشیر بھی نہیں جو لاہور میں عیسائیوں کے کئی مشنری تعلیمی اداروں کو حاصل ہے۔ لاہور کے قلب میں بیسیوں عظیم الشان عمارتیں عیسائی سکولوں کے قبضے میں ہیں اور پنجاب کی آخری حکومت نے سرکار کے قبضہ قدرت سے ایک کالج جسے 'فارمین کرسچین کالج' کے نام سے جانا جاتا ہے، عیسائیوں کو 'واگزار' کرنے کا سنہرا کارنامہ بھی انجام دیا ہے جس کی اب براہِ راست نگرانی مغرب کررہا ہے اور امریکہ اسے پوری سرپرستی اور گرانقدر مالی گرانٹ سے بھی نواز رہا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے بالمقابل یہ عظیم درسگاہ تو اَربوں کی سرزمین اور انتہائی قیمتی اثاثے رکھتی ہے لیکن اسی شہر زندہ دلانِ لاہور میں کوئی ایک اسلامی ادارہ بھی ایسا نہیں جو اس کے سہیم وشریک یا مقابل ہونے کا دعویٰ ہی کرسکے۔

یہ ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تعلیمی حالات کی ایک المناک جھلک..... اہل اقتدار کو یہ کھلے امتیاز مبارک ہوں، لیکن پاکستان کے غیور عوام دین کے خادم اداروں اور ان سے فیض پانے والے علما کی عظیم خدمات کے شاہد وامین ہیں۔ دینی مدارس نے ماضی میں قوم کے جذبہ قربانی وایثار پر انحصار کرکے دنیا کی عظیم الشان این جی او کی بنیادیں رکھی تھیں اور آج دو صدیاں گزرنے کے بعد بھی یہ نظام بدستور قوم کی بے لوث دینی خدمت میں مگن ومشغول ہے۔ برصغیر کے دینی مدارس کی یہ درخشندہ روایات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ اس قوم میں اسلام کے بے لوث خادم بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو فہم وادراک کی

www.KitaboSunnat.com

صلاحیت سے مالا مال فرمائے۔

اس صورتِ حال میں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ علم کے حوالے سے حکومت کے مغربی نظامِ تعلیم کی سرپرستی کو موضوعِ بحث بنایا جائے تاکہ عوام بھی سمجھ سکیں کہ اصل مسئلہ علم کے ہونے یا نہ ہونے کا نہیں بلکہ اصل سوال حکومت کا اسے سندِ قبولیت بخشنے کا ہے۔ ایک طرف قرآن اور فرمانِ رسالتؐ علم کس کو قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف ہماری حکومتیں اسلامی نظریات کے برعکس صرف اسی کو عِلم قرار دینے پر مصر ہیں، جس پر مغربیت کی چھاپ نمایاں ہو۔ ایک وہ علم ہے جو انسان کو دنیا گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد بتاتا ہے اور دوسرا وہ علم ہے جس نے آج مغربی تہذیب کو قائم کرکے انسانیت کو شرمندہ کردیا ہے۔ اکبرالٰہ آبادیؒ نے اسی تعلیم کے بارے میں برسوں قبل کہا تھا:

ہم ان کل کتابوں کو قابل ضبطی سمجھتے ہیں جن کو پڑھ کے بچے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اور علامہ اقبالؒ نے خواتین کے لئے اسی تعلیمِ افرنگ کی زہرناکی کے بارے فرمایا تھا:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازَن کہتے ہیں، اسی علم کو اربابِ ہنر 'موت'

آج مسلمانوں کے ذلت وپستی میں گرجانے اور اجتماعی میدانوں میں پیچھے رہ جانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے سیکولر فلسفہ پر ایمان لاتے ہوئے زندگی کے اہم میدانوں میں اسلام کی تعلیم کو پس پشت ڈال کر مغرب کے ملحدانہ نظریات کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ آج ہماری مسلم یونیورسٹیوں میں بھی عین آکسفورڈ وکیمبرج کی طرح علومِ اسلامیہ کو بھی محض 'دینیات' کے ایک شعبے کے طور پر پڑھا پڑھایا جاتا ہے لیکن قانون، معیشت، سیاست اور ایجوکیشن کے میدان جن میں اسلامی ہدایات وخدمات اور شرعی اَحکام ومسائل کی لمبی چوڑی تفصیلات موجود ہیں، لادین نظامِ تعلیم کے ہی سپرد کردیے گئے ہیں۔ معاشرتی میدانوں میں ترقی اور ملت کے اجتماعی احیا کے لئے انتہائی ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم یونیورسٹیوں میں اسلامی قانون، اسلامی معیشت، اسلامی سیاست اور اسلامی تعلیم وابلاغ کے شعبے خالص اسلامی نظریات کے تحت کام کریں جس میں کتاب وسنت کی بنیاد پر زندگی کے ان میدانوں میں اسلامی احکامات کی تعلیم دی جائے۔ یہی اسلام کا تقاضا ہے کہ اسے پورے دین کے طور پر اختیار کیا جائے وگرنہ اس کی برکات سے محرومی اور قوموں کی صف میں ذلت ہی ہمارا مقدر رہے گی.....!

حافظ حسن مدنی (مدیر التعلیم جامعہ لاہور الاسلامیہ، رحمانیہ)

www.KitaboSunnat.com

تاریخ قرآن

شیخ عبدالفتاح عبدالغنی القاضی
مترجم: محمد اسلم صدیق

المصحف الشریف ایک تاریخی جائزہ

ظہورِ اسلام کے وقت اور اس کے بعد فن تحریر

نبی ﷺ ایک ناخواندہ اور اَن پڑھ قوم میں مبعوث ہوئے جو من حیث القوم حساب وکتاب کی صلاحیت سے بے بہرہ اور رسم الخط وفن تحریر سے ناآشنا تھی۔ نبی ﷺ کی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے پورے جزیرۂ عرب میں تھوڑی سی تعداد؛ قبیلہ قریش کے دس بارہ افراد اور اہل مدینہ کے آس پاس بسنے والے یہودیوں کی ایک محدود تعداد خط وکتابت سے واقف تھی۔ ان میں سے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ بن خطاب، علیؓ بن ابی طالب، عثمانؓ بن عفان، طلحہؓ بن عبیداللہ، ابوسفیانؓ بن حرب، معاویہؓ بن ابوسفیانؓ، اُباب بن سعیدؓ اور علا بن یزید حضرمی مکہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ مدینہ منورہ میں عمرو بن سعیدؓ، اُبی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، منذر بن عمروؓ اور ایک یہودی تھا جو بچوں کو فن تحریر سکھایا کرتے تھے۔

جزیرۂ عرب کے کونہ کونہ میں کتابت کا انحصار اِن چند گنے چنے افراد پر تھا۔ پوری قوم عرب میں تعلیم کو اس قدر کمیابی کی بنیاد پر بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس لحاظ سے ایک اَن پڑھ قوم تھی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ چنانچہ اسلام نے اپنے آغاز میں ہی ان پر اُمیت کی مہر تصدیق ثبت کردی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾

''وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔'' (الجمعہ:۲)

مؤرخین کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ کتابت اور رسم الخط میں قریشیوں کا اُستاد حرب بن

www.KitaboSunnat.com

اُمیہ بن عبدِ شمس ہے جو صحابیٔ رسول ابوسفیانؓ کا والد تھا۔ وہ تجارت کی غرض سے اکثر مختلف علاقوں کا سفر کرتا رہتا تھا۔ وہاں سے اس نے کتابت اور رسم الخط کا یہ فن سیکھا اور پھر قریشیوں کو سکھایا تو سب سے پہلے اس کے ہاتھ سے مکہ میں رسم الخط کا آغاز ہوا۔ البتہ مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حرب بن اُمیہ نے یہ فن کس سے سیکھا تھا؟ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے عبداللہ بن جدعان سے سیکھا تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ بشر بن عبدالملک سے یہ فن حاصل کیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام دانیؒ اپنی سند کے ساتھ زیاد بن اَنعم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا:

اے گرویانِ قریش! کیا آپ دورِ جاہلیت میں بھی یہ عربی رسم الخط لکھا کرتے تھے؟

اُنہوں نے کہا: ہاں۔ میں نے پوچھا: تمہیں یہ کتابت کس نے سکھائی تھی؟ فرمایا: حرب بن اُمیہ نے۔ میں نے کہا: حرب بن اُمیہ نے کس سے سیکھی؟ فرمایا: عبداللہ بن جدعان سے۔ میں نے کہا: عبداللہ بن جدعان کو یہ فن کس نے سکھایا؟ فرمایا: اہل اَنبار نے۔ میں نے کہا: اہل اَنبار کو کس نے سکھایا تھا؟ فرمایا: یمن کے خاندان کِندۃ کا ایک شخص ان کے پاس اچانک آیا تھا۔ میں نے کہا: اس آنے والے کو کس نے سکھایا تھا۔ فرمایا: خلجان بن موہم نے جو اللہ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام پر اللہ عزوجل کی طرف سے نازل ہونے والی وحی لکھا کرتا تھا۔

کلبی نے عوانہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ مرامر بن مرۃ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ نے سب سے پہلے ہمارے اس رسم الخط میں تحریر کا آغاز کیا تھا، اور یہ سب لوگ عرب کے قبیلہ طَے سے تعلق رکھتے تھے اور اُنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کے کاتبِ وحی سے یہ فن سیکھا تھا۔ پھر اُنہوں نے اہل انبار کو یہ فن سکھایا اور ان کے توسط سے کتابت کا یہ فن عراق، حیرہ وغیرہ کے علاقوں میں پھیل گیا۔ وہاں صاحبِ دومۃ الجندل اُکیدر بن عبدالملک کے بھائی بشر بن عبدالملک نے کتابت سیکھی اور چونکہ حرب بن اُمیہ کا بلادِ عراق میں بغرضِ تجارت ان کے پاس آنا جانا تھا، لہٰذا حرب نے اُن سے کتابت کا فن سیکھا اور پھر قریشیوں کو اس کی تعلیم دی۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ بشر نے حرب کے ساتھ مکہ کا سفر کیا اور وہیں مکہ میں ہی ابوسفیان کی بہن صہبا بنتِ حرب سے شادی کرلی۔ وہاں اہل مکہ کی ایک جماعت نے ان سے کتابت کا یہ

www.KitaboSunnat.com

فن سیکھا۔ پھر ظہورِ اسلام سے قبل تک قبیلۂ قریش میں اس فن کے جاننے والوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ پہلی روایت کی رو سے عبداللہ بن جدعان حرب بن اُمیہ کے استاد قرار پاتے ہیں جبکہ دوسری روایت بشر بن عبدالملک کو حرب کا اُستاد بتاتی ہے۔

قطع نظر اس سے کہ اس سلسلہ میں حرب بن اُمیہ کا استاد کون تھا، لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ جزیرۂ عرب میں ہجرتِ نبویؐ تک کتابت کے فن سے بہت تھوڑے افراد آشنا تھے۔ پھر جب ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپؐ نے فن کتابت کی طرف بطورِ خاص توجہ دی، اسے سیکھنے کی ترغیب دلائی اور اس کی تعلیم کے لئے تمام تر وسائل بروئے کار لائے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب جنگِ بدر میں قریش کو شکستِ فاش ہوئی اور ان کے ۷۰ سردار قیدی بنا لئے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے قید سے رہائی کے لئے مالی فدیہ عائد کر دیا اور جو لوگ یہ فدیہ اَدا نہیں کر سکتے تھے، ان میں سے کتابت کا فن جاننے والوں پر یہ شرط عائد کی گئی کہ اُنہیں اس وقت تک آزاد نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ہر شخص مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا نہیں سکھا دیتا۔ اور اس کے ساتھ ہی مدینہ منورہ میں کتابت اور تعلیم وتعلّم کے میدان سج گئے پھر جوں جوں فتوحات کا سلسلہ بڑھا اور اسلام کا دائرہ وسیع ہوا، اسی طرح کتابت اور تعلیم وتعلّم کا یہ سلسلہ بھی وسعت پذیر ہوتا رہا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ دورِ رسالتؐ میں ہی وحی لکھنے پر مقرر صحابہ کرامؓ کی تعداد چالیس ہو چکی تھی۔

آپ ﷺ کے بعد مسلم حکمرانوں نے تمام بلادِ اسلامیہ میں کتابت اور تعلیم کی اشاعت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسلام اور ذرائع ووسائل علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اُنہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو انسانیت کو ترقی کے اَوجِ کمال پر فائز کرنے کے لئے تمام علمی اور عملی کاوشیں بروئے کار لاتا ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حرب بن اُمیہ نے جو رسم الخط سیکھا اور قریشیوں کو سکھایا تھا، وہ انباری حیری رسم الخط تھا جو حجاز میں منتقل ہونے کے بعد حجازی رسم الخط کے نام سے موسوم ہوا

www.KitaboSunnat.com

اور اس وقت کاتبینِ عرب کے ہاں یہی رسم الخط متداول اور رائج تھا۔ اسی رسم الخط میں وہ اپنے خطوط اور اشعار وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ جب اسلام دنیا کے نقشہ پر ظاہر ہوا تو اس نے کتابت وحی کے لئے اسی رسم الخط کو اختیار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفے اور اس کے بعد مصاحفِ عثمانیہ اسی رسم الخط میں تحریر کئے گئے تھے۔ اور یہی رسم الخط ایک عرصہ لوگوں کے درمیان مسلسل متداول رہا جس میں وہ مصاحف اور احادیث کی کتابت کیا کرتے تھے۔

پھر جب فتوحاتِ اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوا، بہت سے نئے شہر آباد ہو گئے تو اسی دوران کوفہ سے فن خطاطی کے ماہرین کی ایک جماعت مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوئی جہاں اُنہیں عربی رسم الخط کو خوبصورت اور عمدہ بنانے کا کام سونپ دیا گیا۔ اس کے بعد ایک وقت آیا کہ اہل کوفہ کا یہ خط اپنی طرز وصورت میں خطِ حجازی سے بازی لے گیا۔ اسی وقت سے اس خطِ حجازی کو خط کوفی سے موسوم کر دیا گیا۔ اس کے بعد مصاحف اور احادیث اسی خط میں لکھے جانے لگے۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ خط ماہرینِ فن کے ہاتھوں ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا۔ حتی کہ قطبہ محرر، ضحاک بن عجلان اور اسحٰق بن حماد جیسے فن خطاطی کے ماہرین نے اس خط کے حسن کو کمال تک پہنچا دیا۔ قطبہ نے خطِ کوفی اور حجازی کو ملا کر ایک نیا خط تخلیق کیا۔ اس وقت جو خط رائج ہے، اس کی اساس یہی خط ہے۔

پھر عباسی دورِ حکومت میں دیگر فنی علوم کے ساتھ ساتھ عربی خط میں بھی ارتقا ہوا۔ عباسیوں کے سنہری دورِ حکومت کے ایک نامور وزیر ابوعلی محمد بن مقلہ نے اپنی بے پناہ ذہانت اور کمالِ مہارت سے قطبہ کے کام کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ عربی کتابت کو خطِ کوفی سے موجودہ شکل میں لانے کے لئے اس نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو صرف کیا۔ اس نے عربی کتابت کی بے شمار شکلیں اور ایک ایک شکل کی کئی کئی صورتیں اور فروعات ایجاد کیں۔

اس کے بعد جو ابن بواب علی بن ہلال بغدادی نے ابن مقلہ کے منہج پر اس کام کو آگے بڑھایا۔ ابن مقلہ کے طریقۂ خطاطی کو اختیار کرتے ہوئے اس میں تہذیب وتنقیح کی، اس کے قواعد کو مکمل کیا۔ اس میں مزید نکھار اور حسن پیدا کیا اور اسے انتہائی کمال تک پہنچا دیا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہر علاقہ میں علما اور خطاطوں نے خطاطی اور املا کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا،

www.KitaboSunnat.com

اس میں حسن اور تنوع پیدا کرنے کے لئے تکالیف اُٹھائیں، اسے پروان چڑھانے اور خوبصورت بنانے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی سعی کی یہاں تک کہ یہ فن یکسانیت اور خوبصورتی اور صفائی میں اپنی انتہا تک پہنچ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے دور میں کتابتِ قرآن اور اسے لکھنے والے مشہور صحابہؓ

یہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا تھا کہ اس نے دیگر آسمانی کتب کی طرح قرآنِ کریم کو ایک ہی دفعہ نازل نہیں کیا بلکہ حالات کے مطابق اسے تھوڑا تھوڑا نازل کیا جاتا رہا، کیونکہ اسی میں عظیم حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں کارفرما تھیں۔ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

◉ ان میں سے ایک حکمت یہ تھی کہ قرآنِ کریم ان حالات کے مطابق نازل ہورہا تھا جو عہدِ نبوت میں پیش آتے رہے، جو بھی معاملہ پیش آتا اس کے متعلق آیاتِ قرآنی کا نزول ہوتا اور اس کے متعلق اللہ کا حکم واضح کردیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کی طرف سے جو سوالات کئے جاتے،ان کے مطابق جواب کے طور پر آیاتِ قرآنی نازل کردی جاتی تھیں۔ اسلام دشمن عناصر کے دلوں میں جو شکوک وشبہات پیدا ہوتے ،ان کے جواب کے لئے قطعی دلائل پر مبنی آیاتِ قرآنیہ نازل ہوتیں اور مسلمانوں کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے عقائد، شرائع واحکام اور فضائل کے متعلق آیاتِ قرآنی کا نزول ہوتا تھا۔

◉ اس کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ قرآنِ مجید کا چیلنج اور اعجاز زیادہ بلیغ اور نمایاں انداز میں دنیا کے سامنے آجائے۔

◉ اُمت کی دینی اور اخلاقی تربیت ایک ترتیب اور تدریج کے ساتھ اس طرح کی جائے کہ وہ اللہ کی زمین پر خلافت کا منصب سنبھالنے کے لئے تیار ہوسکے۔

◉ قرآنِ کریم کو حفظ کرنے، اسے سمجھنے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے میں آسانی رہے۔

◉ اور ایک اہم حکمت یہ تھی کہ نزاعات اور کفار کی طرف سے زبردست مخالفت کے موقعوں پر قرآنِ مجید کا نزول آپ کے لئے تسلی اور سہارے کا باعث بن جائے اور رنج واَلم کی وہ کیفیت رفع ہوجائے جو قوم کے راہِ راست سے دوری کے سبب آپ کو لاحق ہوتی تھی۔

www.KitaboSunnat.com

اور آپ ﷺ پوری قوت اور اطمینانِ قلب کے ساتھ اپنے آپ کو دعوت دین کے لئے تیار کرلیں۔ یہ وہ مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے قرآنِ کریم کو ۲۳ سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔

قرآنِ کریم نبی ﷺ پر نازل ہوتا، آپؐ خود بھی اسے حفظ کرتے اور لوگوں تک اسے پہنچاتے اور کاتبینِ وحی کو اسے تحریر میں لانے کا حکم دیتے اور ساتھ یہ رہنمائی کرتے کہ اس سورہ کو پہلے سے تحریر شدہ حصہ کی فلاں سورۃ کے ساتھ رکھ دو اور اس آیت کو فلاں سورہ میں رکھ دو۔ صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ بعض تو قرآنِ کریم کو رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سن کر حفظ کرلیتے اور بعض حفظ کے ساتھ ساتھ اسے لکھ بھی لیتے۔ چنانچہ کسی کے پاس ایک سورہ، کسی کے پاس پانچ دس سورتیں، کسی کے پاس زیادہ اور کسی کے پاس تھوڑا اور بعض نے مکمل قرآن کریم لکھ کر یا حفظ کر کے اپنے پاس محفوظ کرلیا تھا۔

کاغذ کی کم یابی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ قرآنِ کریم کو کھجور کے چوڑے پتوں، باریک پتھروں، کاغذ اور چمڑے کے ٹکڑوں، حیوانات کے شانے کی چوڑی ہڈیوں اور پسلی کی ہڈیوں پر لکھتے تھے۔ وہ صحابہ کرام جنہوں نے نبی ﷺ کے سامنے قرآنِ کریم کے سامنے بیٹھ کر قرآن کریم کو لکھا، ان میں حضرت ابوبکرؓ صدیق، عمرؓ بن خطاب، عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، معاویہؓ بن ابن سفیانؓ، ابانؓ بن سعید، خالدؓ بن ولید، اُبیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، ثابتؓ بن قیس اور دیگر متعدد جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین شامل ہیں۔

اور دورِ نبوت ابھی اختتام پذیر نہیں ہوا تھا کہ قرآنِ کریم مکمل طور پر لکھا ہوا موجود تھا، البتہ سورتوں کی موجودہ ترتیب کے ساتھ ایک جگہ پر باقاعدہ مصحف کی شکل میں لکھا ہوا موجود نہیں تھا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں قرآنِ کریم باقاعدہ مصحف کی شکل میں لکھنے کا حکم بھی نہیں دیا تھا، کیونکہ صحابہ کرامؓ قرآنِ کریم کو حفظ کرنے پر اپنی توجہ صرف کررہے تھے۔ نیز دورِ نبوت میں قرآنِ کریم کے بعض مقامات پر اضافہ اور بعض آیات کے منسوخ ہونے کا امکان بھی اس امر سے مانع تھا کہ اسے باقاعدہ مصحف میں مرتب انداز سے مدوّن کردیا جاتا۔

چنانچہ نبی ﷺ کے سانحۂ ارتحال کے بعد جب نزولِ قرآن کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور اس میں

www.KitaboSunnat.com

حذف و اضافہ کا امکان بھی باقی نہ رہا تو اللہ نے خلفاے راشدین کے دل میں قرآنِ کریم کو ایک مقام پر مصحف کی شکل میں جمع کرنے کی بات ڈال دی تاکہ اس اُمت سے قرآن کی حفاظت کا کیا ہوا سچا وعدہ پورا ہوسکے۔ چنانچہ اس مبارک کام کا آغاز حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کی باہم مشاورت سے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں ہوا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔

دورِ رسالتؐ میں قرآن مجید کی حفاظت کے لئے کتابت اور حفظ کے ساتھ ساتھ مزید اہتمام یہ بھی تھا کہ نبی ﷺ ہر سال ماہِ رمضان میں جبریلِ امین کے ساتھ قرآنِ کریم کا دور کرتے یعنی اُن سے سنتے اور اُنہیں سناتے تھے اور جس سال آپ ﷺ نے سفرِ آخرت اختیار کیا، اس سال دو دفعہ قرآن کریم کا دور کیا۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حضرت فاطمہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے میرے کان میں یہ بات کہی کہ جبریل امین میرے ساتھ ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا دور کرتے تھے، لیکن اس سال مجھ سے دو دفعہ دور کیا ہے، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ (رقم:۱۶۲۱)

الغرض قرآنِ کریم دورِ نبویؐ میں مکمل طور پر لکھا ہوا موجود تھا، لیکن وہ سورتوں کی ترتیب کے ساتھ باقاعدہ مصحف کی شکل میں نہیں بلکہ کھجور کی چھال اور ہڈیوں وغیرہ پر بکھرا ہوا تھا اور اس کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں بھی محفوظ تھا۔ بعض صحابہؓ وہ تھے جنہیں ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کا ساتھ میسر ہونے کی وجہ سے مکمل قرآن مجید یاد تھا مثلاً خلفاے اربعہ اور دیگر متعدد صحابہ کرام جبکہ بعض وہ تھے جنہیں قرآنِ مجید کا اکثر حصہ یاد تھا اور بعض کو قرآن کا کچھ حصہ یاد تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کے دور میں جمع قرآن اور اس کے اسباب

عربی زبان میں 'جمع القرآن' کا لفظ دو معانی میں استعمال ہوتا ہے:

❶ زبانی حفظ کے معنی میں ❷ کتابت اور تدوین کے معنی میں

اور حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں مذکورہ دونوں معنوں میں حفاظتِ قرآن کا انتظام ہوا۔ جہاں تک پہلے معنی کا تعلق ہے تو خود رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا اور قرآنِ کریم آپؐ کے صفحاتِ قلب پر نقش تھا۔ نیز آپ کے دور میں متعدد صحابہؓ قرآنِ

www.KitaboSunnat.com

کریم کے حافظ تھے۔ مہاجرین صحابہ کرام میں خلفاے اربعہ، طلحہ، سعد، حذیفہ بن یمان، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابوہریرہ، ابن عمر، ابن عباس، عمرو بن العاص، ان کے بیٹے عبداللہ، معاویہ، ابن زبیر، عبداللہ بن سائب، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو مکمل قرآنِ کریم حفظ تھا۔ اور انصاری صحابہؓ میں اُبی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، ابودرداء، مجمع ابن حارثہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور دیگر متعدد صحابہ کرامؓ حافظ قرآن تھے۔

جہاں تک دوسرے معنی میں حفاظتِ قرآن کا تعلق ہے تو اس کا اہتمام بھی دورِ نبویؐ میں بخوبی ہوا۔ آپ ﷺ کی نگرانی میں اور آپؐ کے سامنے مکمل قرآنِ کریم لکھا گیا، اگرچہ پتھروں، کاغذ اور چمڑے کے ٹکڑوں پر ہی سہی، لیکن یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ ابھی رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا تھا کہ قرآنِ کریم اکثر صحابہ کے سینوں میں محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف اشیا پر تحریری شکل میں بھی موجود تھا۔

جب حضرت ابوبکرؓ نے ـــ جو سب سے بڑھ کر منصبِ خلافت کے مستحق تھے ـــ تمام صحابہؓ کی بیعت کے ساتھ مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو ایک بہت بڑے واقعہ نے اُنہیں قرآنِ کریم کو مصحف کی شکل میں جمع کرنے پر آمادہ کیا کیونکہ اس واقعہ سے یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ قرآنِ کریم کہیں ضائع نہ ہوجائے۔ واقعہ یہ ہوا کہ مسیلمہ کذاب اور دیگر مرتدینِ اسلام سے مسلمانوں کی جنگ چھڑ چکی تھی اور یہ ایک بہت بڑی جنگ تھی۔ ایک طرف مرتدین تھے اور ان کے مقابلے میں تمام اُمت مسلمہ برسرِ پیکار تھی۔ تاریخ میں اس لڑائی کو 'جنگِ یمامہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی۔ جب یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت عمرؓ بن خطاب سخت غمناکی کے عالم میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس تشریف لائے اور اُنہیں معاملہ کی سنگینی سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اگر قراء صحابہ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو خطرہ ہے کہ قرآنِ کریم کا کوئی حصہ ضائع نہ ہوجائے۔ لہٰذا اُنہوں نے قرآنِ کریم کو مدوّن کرنے کی تجویز پیش کی۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کو پہلے تو اس کام میں تردّد ہوا کہ یہ ایک نیا کام تھا جو دورِ نبوت میں

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوا تھا اور حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے شدید حریص ہونے کے ناطے آپ ؐ کی سنت میں سرمو اِنحراف نہیں کرسکتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ سے طویل مذاکرات کے بعد، وہ ان کی رائے کے قائل ہوگئے۔ جمع قرآن کی مصلحت ان کے سامنے واضح ہوگئی اور وہ جان گئے کہ حفاظتِ قرآن کے لئے قرآنِ کریم کو جمع کرنے کا یہ اقدام انتہائی ضروری ہے، لہٰذا اُنہوں نے حضرت عمرؓ کی رائے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کرلیا اور دیگر اہم معاملات کی طرح اس عظیم معاملہ سے بھی وہ نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔

چنانچہ اس کام کے لئے صحابہ کی باہم مشاورت سے حضرت زید بن ثابتؓ کا انتخاب ہوا۔ بڑی عمر کے قدیم الاسلام اور جلیل القدر صحابہ کی موجودگی کے باوجود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زید بن ثابت کو اس لئے ترجیح دی کہ وہ ان مشہور صحابہ میں سے تھے جو قرآنِ کریم کے پختہ حافظ، ماہر قاری، اس کے حروف کے شناور اور اعراب القرآن ولغات القرآن کے جید عالم تھے اور وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی وحی لکھنے پر مامور رہے۔ نیز وہ جبریلؑ امین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے آخری دورِ قرآنی میں بھی موجود تھے۔ اس کے علاوہ وہ نہایت عقل مند اور ذہین، زہد و ورع کے پیکر، مجسمۂ دین و عدالت، قرآن کے امین اور اپنے دین و اخلاق کے حوالے سے بے عیب تھے۔ اس طرح ان میں بیک وقت ایسی خوبیاں اور خصوصیات جمع ہوگئیں تھیں جو بعض کبار صحابہ میں بھی یکجا نہیں تھیں۔ یہ وجہ تھی جس کی بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس عظیم کام کے لئے ان کا انتخاب کیا۔

جب وہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنہوں نے جمع قرآن کا یہ منصوبہ ان کے سامنے پیش کیا اور بتایا کہ میں نے اس عظیم کام کی انجام دہی کے لئے آپ کا نام تجویز کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو اس میں تردّد ہوا لیکن بالآخر وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ بحث وتمحیص کے بعد دونوں بزرگوں کی رائے اور اس کی اہمیت کے قائل ہوگئے اور پھر اُنہوں نے اس مقدس کام کا آغاز کردیا۔

اُنہوں نے جس جس صحابی کے پاس قرآن کریم کا کوئی مجموعہ موجود تھا، اسے حاصل کیا۔ کھجور کی چھال، پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم کو مدوّن کرنا شروع کیا اور صرف

اُنہی مجموعوں کو پیش نظر رکھا جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھے گئے تھے۔ وہ خود بھی حافظِ قرآن تھے لیکن اس کے باوجود اُنہوں نے کتابتِ قرآن کو اس لئے پیش نظر رکھا تاکہ ضبط اور حفاظت ِ قرآن میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے اور اس طرح اُنہوں نے قرآنِ مجید کو صحیفوں میں مدوّن کردیا۔

اس دور کی پوری تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے اور حضرت زید بن ثابتؓ ہی اس حدیث کے راوی ہیں کہ جنگِ یمامہ میں متعدد صحابہؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھے بلایا۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی ان کے پاس تشریف فرما تھے۔ ابوبکرؓ نے بات شروع کی کہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور کہا ہے کہ جنگِ یمامہ میں بے شمار قراء صحابہ کرام شہید کردیے گئے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر مختلف علاقوں میں قراء صحابہ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو قرآنِ کریم کا اکثر حصہ ضائع ہوجائے گا، لہٰذا آپ قرآنِ کریم کو جمع کرنے کا حکم صادر کریں۔ میں نے عمرؓ سے کہا: ہم وہ کام کیسے کرسکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے انجام نہیں دیا۔ عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کام انتہائی بہتر ہے۔ وہ مسلسل مجھ سے تبادلۂ خیال کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا ہے۔ اب اس سلسلہ میں میری بھی وہی رائے ہے جو عمرؓ کی ہے۔ پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

''تم ایک ذہین نوجوان ہو، تم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قابل اعتراض ہو نیز تم رسول اللہ ﷺ کی وحی لکھتے رہے ہو، لہٰذا قرآن کریم کو جمع کرو اور اسے مدوّن کردو۔''

اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے کہتے کہ اس پہاڑ کو اُٹھا کر وہاں منتقل کردو تو یہ میرے لئے اتنا گراں بار نہیں تھا جتنا قرآنِ کریم کو مدوّن کرنا۔ چنانچہ میں نے کہا: آپؓ وہ کام کیسے کرسکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ اُنہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اسی کام میں بہتری اور مصلحت ہے۔ حضرت ابوبکرؓ مسلسل مجھ سے تبادلۂ خیال کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح میرا سینہ بھی کھول دیا، لہٰذا میں نے قرآنِ کریم کو تلاش کیا اور اسے کھجور کی چھال، پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کردیا۔

سورۂ توبہ کی آخری دو آیات ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ.....﴾ (بطورِ

www.KitaboSunnat.com

شہادت مجھے کسی کے پاس لکھی ہوئی مل نہیں رہی تھیں جو) بالآخر حضرت ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس مل گئیں (اوراس طرح یہ مصحف مکمل ہوگیا) جو حضرت ابوبکرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس اور پھر حضرت حفصہ بنتِ عمرؓ کے پاس رہا۔ (رقم:۴۶۷۹،۴۹۸۶)

صحیح بخاری کی یہ حدیث اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ مصحف کی شکل میں قرآنِ کریم پہلی دفعہ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں جمع ہوا جو اس سے پہلے کھجور کی چھال اور پتھروں اور کتابت کے لئے رائج دیگر چیزوں پر لکھا ہوا موجود تھا اور اس کے ساتھ صحابہ کرام کے سینوں میں بھی محفوظ تھا اور اس کام کے لئے حضرت ابوبکرؓ صدیق نے زیدؓ بن ثابت کو اس لئے متعین کیا کہ وہ اپنی جامع صفات کی وجہ سے اس کے لئے دیگر صحابہؓ کی نسبت زیادہ موزوں تھے۔

حضرت زید بن ثابت نے جمع قرآن کے سلسلہ میں دو مصادر پر اعتماد کیا:

① جو قرآن رسول اللہ ﷺ کے دور میں مختلف چیزوں پر لکھا ہوا موجود تھا اور

② جو حفاظ کرام کے سینوں میں محفوظ تھا

حضرت زیدؓ بن ثابت کا طریقہ یہ تھا کہ وہ لکھی ہوئی کوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کرتے تھے جب تک کہ حتمی توثیق نہ کر لیتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی اور عرضۂ اَخیرہ کے وقت اسے ثابت رکھا گیا تھا اور اس کی تلاوت منسوخ نہیں کی گئی۔ نیز اس وقت تک کوئی چیز قبول نہ کرتے جب تک دو صحابی گواہی نہ دے دیتے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی۔

اس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام ابن ابی داؤد نے یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب کے حوالہ سے بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ تشریف لائے اور فرمایا: جس نے رسول اللہ ﷺ سے قرآنِ کریم کا کوئی حصہ حاصل کیا ہے، وہ اسے لے آئے۔ اور صحابہ کرامؓ نے مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے اپنے اپنے صحیفے تیار کر رکھے تھے اور وہ اُنہیں اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ دو شخص ان کے بارے میں گواہی نہ دے دیتے۔ (المصاحف:۱/۳۷)

امام سخاویؒ فرماتے ہیں: مراد یہ ہے کہ یہ گواہی بھی لی جاتی تھی کہ لکھی ہوئی یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی۔ نیز حضرت زیدؓ نے تنہا حفظ پر ہی اعتماد نہیں کیا، اس کی دلیل یہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ سورۂ براءۃ کی آخری آیات باوجودیکہ حضرت زید کو حفظ تھیں اور ان کے علاوہ متعدد صحابہ کو بھی حفظ تھیں، لیکن اس وقت اُنہیں درج نہیں کیا جب تک کہ حضرت خزیمہؓ کے پاس بھی لکھی شہادت نہیں مل گئی اور حفظ کے ساتھ کتابت کو ملحوظ رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ زیادہ زیادہ توثیق اور احتیاط کا اہتمام ہو سکے۔

کتابتِ قرآن کے سلسلہ میں حضرت زیدؓ نے یہ اہتمام بھی کیا کہ اس کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہو۔ عرضۂ اخیرہ کے وقت اسے باقی رکھا گیا ہو اور اس کی تلاوت منسوخ نہ ہوئی ہو۔ وہ اخبار آحاد سے ثابت نہ ہو اور نہ ہی وہ قرآنِ کریم کی کوئی شرح اور تاویل ہو اور اس کی سورتیں اور آیات دونوں مرتب ہوں۔ اور اسے آیات اور سورتوں دونوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس لائحہ عمل کے مطابق حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی زیرنگرانی حفاظ کے سینوں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھے گئے صحائف سے قرآنِ کریم کی جمع وتدوین پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ دورِ صدیق میں قرآنِ کریم کی یہ جمع وتدوین حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بہت بڑا کارنامہ ہے جس کی وجہ سے قرآنِ کریم کو بکھرنے اور ضائع ہونے سے بچانے کا سامان کیا گیا۔ ان کے اس کارنامے کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے فرمایا تھا:

أعظم الناس في المصاحف أجرا أبوبكر . رحمة الله على أبي بكر هو أول من جمع كتاب الله تعالىٰ (فتح الباری:۲۰/۱)

''مصاحف کے ضمن میں سب سے بڑھ کر اَجر وثواب کے مستحق حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ اُنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کرنے کا اہتمام کیا۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس کام کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت صاف واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا یہ کام بدعت یا خلافِ اسلام ہرگز نہیں تھا، بلکہ شریعتِ مطہرہ کے ان اُصولوں کے مطابق تھا جو کتابتِ قرآن کے سلسلہ میں خود رسول اللہ ﷺ نے وضع فرما دیئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا وحی کو لکھنے کے لئے کاتبین کی ایک جماعت کو مقرر کرنا اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ ابوبکرؓ کا کام عین سنت کے مطابق تھا۔ چنانچہ ابوعبداللہ المحاسبی فرماتے ہیں:

كتابة القرآن ليست محدثة (البرہان:۲۳۸/۱)

www.KitaboSunnat.com

''قرآنِ کریم کی کتابت قطعاً بدعت نہیں ہے۔''

بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کو لکھنے کا حکم دیا تھا اور آپ ﷺ کی زندگی میں مکمل قرآن مجید لکھا ہوا موجود تھا، لیکن چونکہ وہ مختلف چیزوں پر بکھرا ہوا تھا لہٰذا ابوبکر صدیقؓ نے اس بکھرے ہوئے مواد کو اسی ترتیب سے ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا۔

قرآنِ مجید کے یہ صحیفے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں ان کے پاس رہے۔ ان کی وفات کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے پاس منتقل کردیے گئے اور پھر ان کے دورِ خلافت میں اُنہیں کے پاس رہے۔ والد کی وفات کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس رہے۔ جب مروان مدینہ منورہ کا گورنر مقرر ہوا تو اُنہوں نے یہ صحیفے حضرت حفصہ سے طلب کئے لیکن اُنہوں نے دینے سے انکار کردیا۔ جب حضرت حفصہؓ کی وفات ہوگئی تو مروان ان کے جنازہ میں شریک ہوئے اور ان کے بھائی عبداللہ سے وہ صحیفے منگوائے اور اُنہیں نذرِ آتش کروا دیا اور کہا:

إنما فعلت هذا لأن ..... فخشيت أن طال بالناس زمان أن يرتاب في شأن هذه الصحف مرتاب (المصاحف لابن ابی داود: ۱/۴۸)

''میں نے یہ کام اس خدشہ کے پیش نظر انجام دیا کہ ایک عرصہ گزرنے کے بعد کہیں کوئی شخص ان صحیفوں کے متعلق شک وشبہ کا شکار نہ ہو۔''

یاد رہے کہ مروان بن حکم نے یہ کام اس وقت انجام دیا تھا جب حضرت عثمانؓ کے حکم سے مصاحفِ عثمانیہ مدون ہوکر مختلف علاقوں کو روانہ کردیئے گئے تھے اور حضرت عثمانؓ نے مصاحف کے علاوہ دیگر تمام صحیفوں اور مصاحف کو نذرِ آتش کروا دیا تھا جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن اور اس کے اسباب

وہ صحیفے جو حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے مدوّن کئے تھے، حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آغاز سے ہی حضرت حفصہؓ کے پاس تھے۔ پھر جب حضرت عثمانؓ کے دور میں فتوحاتِ اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوا اور مسلمان عرب سے نکل کر دور دراز علاقوں میں

www.KitaboSunnat.com

پھیل گئے تو مملکت اسلامیہ میں شامل ہر علاقہ کے لوگوں نے اپنے علاقہ کے مشہور قاری سے اس کی قراءت کے مطابق قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ چنانچہ اہل شام اُبی بن کعب کی قراءت پڑھتے تھے۔ اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود کی قراءت پڑھتے تھے اور دیگر لوگ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی قراءت کے مطابق پڑھتے تھے اور وجوہِ قراءات میں ان کے درمیان اختلاف تھا۔ وجوہِ قراءات میں اس اختلاف کی بنیاد یقیناً یہی تھی کہ قرآنِ کریم کو اللہ کی طرف سے سات حروف پر نازل کیا گیا تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۴۱۹، دیکھئے 'محدث' میں شائع شدہ مضمون ج ۲۳/عدد۴)

چنانچہ جب مختلف علاقوں کے لوگ کسی مجلس یا دشمنوں کے خلاف جہاد کے موقع پر جمع ہوتے اور قراءات کا یہ اختلاف سنتے تو اُنہیں سخت تعجب ہوتا۔ حتیٰ کہ اس کی وجہ سے لوگوں میں قراءتِ قرآنیہ کے متعلق باہم اختلاف اور جھگڑے شروع ہوگئے۔ ہر فریق اپنی قراءت کو برحق اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگا۔ بعض فخریہ انداز میں اپنی قراءت کو دوسرے کی قراءت سے بہتر قرار دیتے۔ پھر مقابلہ میں وہ بھی یہی رویہ اختیار کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ اُنہوں نے ایک دوسرے کو گنہگار کہنا شروع کر دیا۔

اس اختلاف کی شدت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے جو حضرت عثمانؓ کے عہد کے دوسرے یا تیسرے سال ۲۵ ہجری کو پیش آیا تھا۔ اور یہی واقعہ مصاحف کی تدوین کا باعث ہوا۔ واقعہ یہ ہوا کہ اہل عراق اور اہل شام آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد کے لئے جمع ہوئے۔ اہل علاقہ کے لشکر میں حضرت حذیفہؓ بن یمان بھی اس محاذ پر شریکِ جہاد تھے۔ وہاں اُنہوں نے دیکھا کہ مسلمان قراءتوں کے بارے میں سخت اختلاف کر رہے ہیں اور یہ بھی سنا کہ ہر فریق دوسرے کو ان وجوہِ قراءات میں اختلاف کی وجہ سے گناہگار قرار دیتا اور اسے تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے اس معاملہ کو انتہائی سنگین سمجھا اور بھاگم بھاگ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور اُنہیں اس صورتِ حال سے آگاہ کیا اور عرض کی: «أدرك الناس قبل أن

www.KitaboSunnat.com

يختلفوا في كتابهم كما اختلف اليهود والنصارٰى » ''امیرالمومنین! پہلے اس سے کہ یہ اُمت یہود ونصاریٰ کی طرح اختلاف کا شکار ہو، اس کا علاج کر لیجئے۔''

حضرت عثمانؓ نے اپنی دور اندیشی اور بے پناہ ذہانت سے یہ بھانپ لیا کہ یہ اختلاف ایک بہت بڑے شر کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اگر حکمت اور دانش مندی سے اس کا علاج نہ کیا گیا تو اس کے نہایت خطرناک نتائج مرتب ہوں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے اس سنگین صورت حال سے اُمت کو بچانے کے لئے جلیل القدر صحابہ کرام کو جمع کیا اور اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے ان سے مشورہ طلب کیا۔

کافی غوروخوض کے بعد تمام صحابہ کرامؓ اس بات پر متفق ہوگئے کہ سبعة أحرف کی رعایت کرتے ہوئے کچھ مصاحف تیار کئے جائیں اور ہر علاقہ کی طرف ایک مصحف کا نسخہ روانہ کردیا جائے تاکہ وہ اختلاف اور جھگڑے کے وقت اس کی طرف رجوع کرسکیں اور ان مصاحف کے علاوہ باقی تمام صحیفے جلا دیئے جائیں۔ یہی وہ قابل اعتماد صورت تھی جس سے مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کیا اور اختلاف کو جڑ سے اکھیڑا جاسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ کے اس متفقہ فیصلہ کے نفاذ پر کام شروع کردیا۔ اس اہم مہم کو انجام دینے کے لئے درج ذیل جلیل القدر حفاظ صحابہ کرامؓ کا انتخاب عمل میں آیا:

① زید بن ثابتؓ: ان کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمع قرآن کے لئے منتخب کیا تھا، کیونکہ وہ مذکورہ بالا صفات کی بنا پر اس کام کے لئے انتہائی موزوں شخصیت تھے۔

② عبداللہ بن زبیرؓ ③ سعید بن العاصؓ اور

④ عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشامؓ یہ تینوں صحابہ قریشی تھے۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس جو صحیفے ہیں وہ ہمیں بھیج دیں۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے جمع قرآن کے لئے نامزد کمیٹی کے پاس بھیج دیئے۔ کمیٹی نے ان صحیفوں کو مدنظر رکھ کر مصاحف تیار کئے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مصاحف کی تیاری پر ۱۲ صحابہ کو مامور کیا گیا تھا جن میں اُبی بن کعب بھی شامل تھے۔

www.KitaboSunnat.com

کتابتِ مصحف کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا دستور

واضح رہے کہ مصاحف کو نقل کرنے کا یہ سارا کام خود امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ اور مہاجرین و اَنصار کبار صحابہ کرامؓ کی سرپرستی اور نگرانی میں ہو رہا تھا اور شدتِ اہتمام کا یہ عالم تھا کہ قرآنِ کریم کا ایک حرف بھی اس وقت تک لکھا نہیں کیا جاتا تھا جب تک اسے تمام صحابہ کرام پر پیش کر کے تصدیق نہیں کروالی جاتی تھی کہ یہ واقعی قرآن ہے، اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی اور اسے عرضۂ اَخیرہ میں برقرار رکھا گیا ہے۔

چنانچہ ایسی کوئی چیز رقم نہیں کی گئی جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہو اور عرضۂ اَخیرہ کے وقت اسے باقی نہ رکھا گیا ہو اور نہ ہی کسی ایسی چیز کو قرآنِ کریم میں جگہ دی گئی جو خبر واحد سے ثابت ہو یعنی اس کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت نہ ہوسکا ہو۔ مثال کے طور پر وہ توضیحی اَقوال جو بعض صحابہ کرامؓ نے اپنے ذاتی مصاحف میں کسی آیت یا کسی لفظ کی تشریح یا ناسخ و منسوخ کی وضاحت کے سلسلہ میں درج کر لئے تھے اُنہیں قرآن سے خارج رکھا گیا۔

حضرت عثمانؓ نے متعدد مصاحف رقم کروائے تھے، جن کی تفصیل ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ تمام بلادِ اسلامیہ میں تمام صحابہ کرام کا مجمع و متفق علیہ مصحف روانہ کیا جائے۔ یاد رہے کہ ان مصاحف کے رسم میں حذف و اثبات، اور حک واضافہ کے اعتبار سے کسی قدر فرق بھی تھا۔ بعض میں ایک حرف یا لفظ زائد تو بعض میں کم تھا۔ اس فرق کی وجہ یہ تھی کہ ان ساتوں حروف کا احاطہ ہوسکے جن پر قرآنِ کریم نازل ہوا تھا اور اسی غرض کے لئے ان مصاحف کو اِعراب اور نقطوں سے خالی رکھا گیا تھا۔ وہ کلمات جو ایک سے زائد قراءات پر مشتمل تھے اور اُنہیں نقطوں اور اعراب سے خالی رکھنے سے ان میں تمام قراءات سما سکتی تھیں، ایسے کلمات کو تمام مصاحف میں ایک ہی رسم پر لکھا گیا۔

مثال کے طور پر ﴿فَتَبَيَّنُوٓا﴾ اور ﴿نُنشِزُهَا﴾ اور ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ اور ﴿أُفٍّ﴾ وغیرہ۔ باقی رہے وہ کلمات جو ایک سے زائد قراءات پر مشتمل تھے، لیکن اُنہیں نقطوں اور اعراب سے خالی رکھنے کے باوجود بھی ان کا رسم زیادہ قراءتوں کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا تو ایسے

www.KitaboSunnat.com

کلمات کو ایک رسم پر لکھنے کی بجائے بعض مصاحف میں ایک رسم سے اور بعض مصاحف میں دوسری قراءات کے مطابق الگ رسم کے ساتھ لکھ دیا گیا۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت ﴿وَوَصّٰی بِهَا اِبْرٰهِيْمُ﴾ کو بعض مصاحف میں ص سے پہلے دو واؤں کے ساتھ اور بعض میں ایک واؤ کے ساتھ لکھا گیا ہے اور دو واؤں کے درمیان الف موجود نہیں ہے جبکہ بعض مصاحف میں دو واؤ کے درمیان الف موجود ہے یعنی وَ اَوْصٰی

اسی طرح سورۂ آلِ عمران میں ﴿وَسَارِعُوا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ بعض مصاحف میں سین سے پہلے واؤ موجود اور بعض میں محذوف ہے۔

اور ﴿تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (التوبہ) میں مکی مصحف میں تحتها سے پہلے مِنْ کا اضافہ ہے اور باقی مصاحف میں مِنْ حذف ہے۔

واضح ہوا کہ جمع قرآن پر مامور کمیٹی نے اس نوع کے کلمات کو ایک ہی مصحف میں اکٹھا دو رسموں کے ساتھ نہیں لکھا کیونکہ اس میں یہ خدشہ پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید یہ لفظ ایک ہی قراءت میں دو دفعہ نازل ہوا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہی لفظ کی دو قرآءتیں ہیں۔ یہ لفظ بغیر تکرار کے دو وجوہ میں نازل ہوا ہے۔ اور نہ ہی اُنہوں نے ایسے کلمات کو اس طرح دو رسموں کے ساتھ لکھا کہ ایک کو اصل متن میں رکھتے اور دوسرے کو حاشیہ میں رکھتے۔ کیونکہ اس سے یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ شائد حاشیہ میں اصل متن کی تصحیح کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین نے کتابتِ مصاحف میں یہ طرزِ عمل کیوں اختیار کیا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے قرآنِ کریم ان تمام وجوہِ قراءات اور حروف کے ساتھ رسول ﷺ سے حاصل کیا جن پر وہ نازل ہوا تھا چنانچہ قرآنِ کریم کی ان تمام وجوہ کا احاطہ کرنے کے لئے یہی منہج اور طریقہ سب سے زیادہ موزوں تھا۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُنہوں نے بعض قراءات کو حذف کردیا تھا کیونکہ تمام قراءات رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ قراء کے جس اختلاف نے حضرت حذیفہؓ اور عثمانؓ کو پریشان کیا اور جو بالآخر کتابتِ قرآن کا باعث ہوا، وہ اختلاف سبعہ اَحرف اور قراءات

www.KitaboSunnat.com

کے سلسلہ میں ہی تھا جو صحابہ کرام نے عرضۂ اَخیرہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی تھیں پھر بعض وجوہِ قراءات عرضۂ اخیرہ کے وقت منسوخ ہوگئیں لیکن عرضۂ اخیرہ کے وقت حاضر نہ ہونے کی وجہ سے بعض قراء کو اس نسخ کا پتہ نہ چل سکا جس کی وجہ سے نزاع پیدا ہوا۔ اگر حضرت عثمانؓ کا تمام لوگوں کو ایک حرف پر جمع کرنا اور باقی حروفِ قرآنیہ کو ختم کرنا مقصود ہوتا تو مصاحف میں حذف و اثبات کا فرق کبھی واقع نہ ہوتا۔ الغرض اس طریقہ پر مصاحف کی کتابت اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمانؓ لوگوں کو منسوخ اور شاذ قراءات چھوڑ کر متواتر قراءات پر جمع کرنا چاہتے تھے۔

☜ مزید برآں حضرت عثمانؓ نے کتابتِ مصاحف کے سلسلہ میں یہ طریقۂ کار بھی اختیار کیا کہ اُنہوں نے اس کام پر مامور تین قریشی صحابہ کو یہ تاکید کی کہ اگر کسی لفظ کی کتابت میں تمہارا زیدؓ بن ثابت سے اختلاف ہوجائے تو اس لفظ کو لغتِ قریش کے مطابق لکھنا، کیونکہ یہ انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا ایسے ہی ہوا اور یہ بات ثابت ہے کہ لفظ تابوت کے متعلق ان کا اختلاف ہوا۔ حضرت زید کا خیال تھا کہ اسے ہاء کے ساتھ التابوہ لکھا جائے اور قریشی صحابہ کا خیال تھا کہ اسے تاے مفتوحہ کے ساتھ لکھا جائے۔ اُنہوں نے یہ معاملہ حضرت عثمانؓ کے ہاں پیش کیا تو اُنہوں نے حکم دیا کہ اسے تائے مفتوحہ کے ساتھ لکھا جائے کیونکہ لغتِ قریش میں یہ اسی طرح ہے۔

ان صدیقی صحیفوں کو مصاحف میں نقل کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے یہ صحیفے حضرت حفصہؓ کو واپس لوٹا دیے اور جو مصاحف اُنہوں نے تیار کئے تھے، ان میں سے ایک ایک مصحف مملکتِ اسلامیہ کے ہر علاقہ میں روانہ کردیا اور شرانگیزی اور فتنہ کے دروازہ کو بند کرنے، نزاع کے استیصال اور تمام اُمتِ مسلمہ کے لئے ان مصاحف کو مرجع اساسی بنانے کے لئے ان کے علاوہ تمام صحیفوں یا مصاحف کو نذرِ آتش کروا دیا۔

صحیح بخاری میں اس کی تفصیل ان الفاظ میں مروی ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور اس وقت وہ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے۔ وہ قراءت

www.KitaboSunnat.com

کے متعلق لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے خاصے پریشان تھے۔ اُنہوں نے مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! اس اُمت کو بچایئے پہلے اس سے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ کے متعلق اختلاف کا شکار ہوجائے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہؓ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں وہ صحیفے بھیج دو۔ ہم اُنہیں نقل کرنے کے بعد آپ کو واپس لوٹا دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے۔ آپؓ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعد بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو ان صحیفوں کو کئی مصاحف میں نقل کرنے پر مامور کیا اور حضرت عثمانؓ نے کمیٹی کے قریشی صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اگر قرآنِ کریم کے کسی حصہ میں تمہارا اور حضرت زید کا اختلاف ہوجائے (کہ کون سا لفظ کس طرح لکھا جائے؟) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن کریم اُنہیں کی زبان میں نازل ہوا ہے۔''

ان صحیفوں سے مصاحف نقل کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے وہ صحیفے حضرت حفصہؓ کو واپس لوٹا دیئے اور نقل کردہ مصاحف میں سے ہر علاقہ میں ایک مصحف روانہ کردیا اور ان کے علاوہ باقی تمام صحیفوں اور مصاحف کو نذرِ آتش کروا دیا۔''

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تمام اہل علاقہ کو یہ لکھ بھیجا کہ تمہارے پاس جو کچھ تمہارے مصحف کے خلاف ہے، اس کو تلف کردو لیکن اکثر روایات میں یہ ذکر ہے کہ آپؓ نے اُنہیں جلانے کا حکم دیا تھا۔

بعض فاضل محققین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے دیگر صحیفوں کے ساتھ حضرت حفصہؓ کے صحیفوں کو جلانے کا حکم نہیں دیا تھا، اس لئے کہ یہ صحیفے ہی درحقیقت اصل بنیاد اور مصدر تھے جن کو مدنظر رکھ کر مصاحف نقل کئے گئے تھے اور ان صحیفوں پر تمام صحابہ کا اجماع تھا۔ اور ان صحیفوں اور عثمانی مصحف میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ جہاں تک دیگر صحیفوں کا معاملہ تھا تو وہ چونکہ عثمانی مصاحف سے قدرے مختلف تھے جس کی وجہ سے اختلاف کا خدشہ تھا لہٰذا ان کو تلف کروانا عین حکمت و مصلحت کا تقاضا تھا۔ (جاری ہے)

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

سر ڈھانپنا اور عمامہ پہننا سنتِ رسول ﷺ ہے!

بعض علاقوں میں عموماً عمامہ (پگڑی) پہننے کا رواج ہے اور اسے بھلے مانس اور شریف لوگوں میں عزت اور وقار کی ایک علامت سمجھا جاتا ہے جبکہ ننگے سر رہنے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس چیز میں اس وقت مزید شدت آجاتی ہے کہ جب کچھ لوگ ننگے سر نماز ادا کرتے نظر آتے ہیں اور وہ ننگے سر نماز ادا کرنے پر اصرار کرتے ہیں بلکہ ننگے سر نماز ادا کرنے کو اُنہوں نے اپنی عادت بنا رکھا ہے اور اُنہوں نے اسے سنت کا درجہ دے رکھا ہے۔ دوسرے لوگ ان کی اس عادت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور اس طرح اس معاملہ میں محاذ آرائی کی ایک شکل پیدا ہوجاتی ہے۔ کسی بھی مسئلہ میں تنازع و اختلاف کی صورت میں اہل ایمان کو قرآن وحدیث کی طرف پلٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (النساء:۵۹)

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر:۷)

''اور تمہیں جو کچھ رسول ﷺ دے تو اسے لے لو اور جس سے روکے تو رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سر پر عمامہ (پگڑی) باندھا کرتے تھے اور آپؐ کے عمامہ کا رنگ سیاہ تھا۔ کبھی آپ کے سر پر چادر بھی ہوتی جس سے آپ اپنے سر کو ڈھانپ لیا کرتے تھے، اسی طرح ٹوپی کا ذکر بھی احادیث میں موجود ہے جس کا عمامہ کی احادیث کے بعد ذکر کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

❶ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

"إن رسول اللہ ﷺ دخل مکة وقال قتیبة دخل یوم فتح مکة وعلیه عمامة سوداء بغیر إحرام" (صحیح مسلم:۱۳۵۸)

''رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے اور آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔''

صحیح بخاری (رقم:۱۸۴۶) اور صحیح مسلم (رقم:۱۳۵۷) میں سیدنا انس بن مالکؓ کی روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اور آپؐ کے سر پر مِغْفَر (خود) تھا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ

''اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ جب نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا، پھر آپ نے اسے اُتار دیا جیسا کہ اسی حدیث میں یہ بات موجود ہے اور اس کے بعد آپ ﷺ نے عمامہ پہن لیا۔ اس طرح جس صحابی نے جو دیکھا، وہ بیان کر دیا اور اس کی تائید سیدنا عمرو بن حریثؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔'' یہ حدیث امام مسلمؒ نے بیان کی ہے ''اور آپؐ نے یہ خطبہ کعبہ کے دروازے کے قریب دیا تھا اور آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔'' بعض علما نے ان احادیث میں اس طرح بھی تطبیق دی ہے کہ سیاہ عمامہ خود کے اوپر یا نیچے بندھا ہوا تھا تاکہ نبی ﷺ اپنے آپ کو خود کے ذریعے محفوظ رکھ سکیں۔'' (فتح الباری:۴/۶۲۶۱)

❷ سیدنا عمرو بن حریثؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

«إن رسول اللہ ﷺ خطب الناس وعلیه عمامة سوداء »

(صحیح مسلم:۱۳۵۹، شمائل محمدیہ از امام ترمذی:۱۱۷)

''رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اس حال میں کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔''

ان احادیث سے جہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عمامہ پہننا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے وہاں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا آخری عمل عمامہ پہننا ہے، کیونکہ مکہ ۸ ہجری میں فتح ہوا اور آپؐ ۱۱ ہجری کے شروع میں وفات پاگئے اور اس عرصہ کے دوران آپؐ سے اس کے خلاف کوئی عمل ثابت نہیں ہے۔

❸ سیدنا عمرو بن حریثؓ بیان فرماتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

" كأني أنظر إلى رسول اللهﷺ على المنبر وعليه عمامة سوداء قد أرخى طرفيها بين كتفيه" (صحیح مسلم:۱۳۵۹)

''گویا میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ کے سر پر سیاہ عمامہ ہے جس کا ایک حصہ آپؐ نے پیچھے دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑ رکھا ہے۔''

❹ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں:

كان النبيﷺ إذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه . قال نافع: وكان ابن عمر يسدل عمامته بين كتفيه . قال عبيد الله: ورأيت القاسم وسالما يفعلان ذلك . (سنن ترمذی:۱۷۳۶، شمائل محمدیہ:۱۱۸ وقال الالبانی: صحیح (صحیحہ:۷۱۷) وقال زبیر علی زئی: حسن (تخریج مشکوٰۃ المصابیح:۴۳۳۷)

''نبی ﷺ جب عمامہ پہنتے تو اس کے ایک حصہ کو دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکاتے۔ امام نافعؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بھی عمامہ کے ایک حصہ کو کندھوں کے درمیان لٹکاتے اور امام عبیداللہ بن عمرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا محمد بن قاسمؒ اور سالم بن عبداللہؒ کو دیکھا کہ وہ بھی اس حدیث کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔''

❺ سیدنا ابوعبدالسلامؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ رسول ﷺ عمامہ کس طرح پہنتے تھے؟ اُنہوں نے فرمایا کہ آپؐ عمامہ کے کپڑے کو سر پر گھما کر لپیٹتے تھے اور اس کے سرے کو پیچھے رکھنے کا قصد فرماتے اور دونوں کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے۔ (مجمع الزوائد:۱۲۰/۵ وقال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط ورجاله رجال الصحيح)

❻ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ایک طویل حدیث میں ذکر فرماتے ہیں:

''.....پھر رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو حکم دیا کہ وہ سریّہ کے لئے تیاری کریں کہ جس پر امیر بنا کر اُنہیں بھیجا جانا ہے۔ پس صبح ہوئی اور اُنہوں نے سیاہ کھدر کے کپڑے کا عمامہ پہنا پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پس آپؐ نے ان کا عمامہ اُتار دیا اور انہیں (درست طریقے سے) عمامہ پہنایا اور پیچھے کی طرف چار اُنگلیوں یا اس کے برابر کپڑے کا حصہ چھوڑ دیا۔ پھر فرمایا: اے ابن عوف! اس طرح عمامہ باندھا کرو، یہ زیادہ اچھا اور خوبصورت لگتا ہے۔ (پھر آپ نے جھنڈا دے کر اُنہیں جہاد کے سلسلہ کی ہدایات دیں) (مجمع الزوائد:۱۲۰/۵ وقال

www.KitaboSunnat.com

الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط وإسناده حسن)

سنن ابوداؤد (رقم:۴۰۷۹) میں بھی اس مضمون کی ایک مختصر روایت موجود ہے، لیکن اس کی سند میں ایک راوی شیخ اہل مدینہ مجہول ہے۔

ان احادیث کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عموماً اپنے سر پر عمامہ باندھا کرتے تھے۔ لہٰذا سر پر عمامہ باندھنا نبی ﷺ کی سنت ہے اور اس سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص وہ لوگ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ قرآن وحدیث پر عامل ہیں، ان کا اس سنت کو اپنانا زیادہ ضروری ہے۔ ان احادیث کو نگاہ میں رکھا جائے تاکہ سنت پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت کا ہمیں اندازہ ہوسکے اور ترکِ سنت سے محرومی کا بھی پتہ چل سکے۔ یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ اس وقت بعض لوگ اس سنت پر عمل پیرا تو ہیں، لیکن اُنہوں نے ہرے رنگ ہی کو اپنی شناخت بنا رکھا ہے جبکہ نبی ﷺ کے عمامہ کا رنگ سیاہ تھا۔

۷ سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں:

"رأيت النبي ﷺ يمسح على عمامته وخفيه" (بخاری:۲۰۵)

''میں ﷺ کو اپنے عمامہ اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا''

اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپؐ نے نماز کے لئے جب وضو فرمایا تو عمامہ پر مسح فرمایا اور عمامہ کے ساتھ نماز بھی ادا فرمائی اور حدیث کا ظاہر اسی بات کو چاہتا ہے اور اس بات سے ان لوگوں کا بھی ردّ ہوجاتا ہے کہ جو ننگے سر نماز پڑھنے پر ہی اِصرار کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ کا سیاق بھی اسی بات کو چاہتا ہے کہ نماز میں سر کو ڈھانکا جائے کیونکہ زینت اسی میں ہے۔

۸ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز کے لئے قضائے حاجت سے فارغ ہوئے، پھر آپ نے وضو فرمایا۔ ومسح بناصيته وعلى العمامة وعلى خفيه ''اور آپ نے اپنی پیشانی، عمامہ اور موزوں پر مسح فرمایا۔ (صحیح مسلم:۲۷۴، سنن ترمذی:۱۰۰)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں عمرو بن اُمیہ، سلمان، ثوبان اور ابوامامہ رضی اللہ

www.KitaboSunnat.com

عنہم کی بھی روایات ہیں اور مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔(سنن ترمذی:تحت رقم:۱۰۰)

❾ سیدنا بلالؓ بیان فرماتے ہیں:

"إن رسول اللہ ﷺ مسح علی الخفین والخمار" (صحیح مسلم:۲۷۵،ابن ماجہ:۵۶۱)

''رسول اللہ ﷺ نے موزوں اور چادر پر مسح فرمایا۔''

دوسری روایت میں ہے: «رأیت النبي ﷺ یمسح علی الخفین والخمار»

(سنن نسائی:۱۰۴،ابن ماجہ:۵۶۱)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں اور خمار پر مسح کرتے دیکھا ہے۔''

خمار اس چادر کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے سر کو ڈھانپا جائے اور یہاں خمار سے مراد عمامہ ہے۔(حاشیہ ابن ماجہ،دارالسلام)

❿ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ محرم کپڑوں میں سے کیا پہن سکتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لایلبس القمص ولاالعمائم ولاالسراویلات ولاالبرانس ولا الخفاف»

''محرم قمیصیں، عمامے، پاجامے (شلوار) برانس (برنس کی جمع یعنی بڑی ٹوپی) اور موزے نہیں پہن سکتا۔الخ'' (صحیح بخاری:۱۵۴۲،صحیح مسلم:۲۷۹۱)

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے کتاب الحج کے علاوہ کتاب اللباس، باب العمائم میں بھی وارد کیا ہے اور لباس اور عمامہ کے لئے اس حدیث کو دلیل بنایا ہے نیز امام بخاری نے اس حدیث کو گیارہ مقامات پر ذکر کیا ہے اور ہر جگہ کسی نہ کسی مسئلہ کا استدلال فرمایا ہے اور اس حدیث کو ہر جگہ اپنے مختلف اساتذہ سے ذکر فرما کر اس کی مختلف سندیں بھی ذکر فرمائی ہیں۔

اس حدیث میں محرم کے لباس کا ذکر کیا گیا ہے۔حاجی کے لئے احرام کی حالت میں جو کپڑے ممنوع ہیں جیسے قمیص، عمامے، ٹوپی وغیرہ، لیکن عام حالات میں یہی ایک مسلم کا لباس ہے۔گویا اس حدیث میں نبی ﷺ نے ایک مسلم کے لباس کی تفصیل بیان کردی ہے۔اس حدیث میں قمیص کے فوراً بعد عمامہ اور پھر ٹوپی کا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں عمامہ، ٹوپی اور قمیص کا ایک خاص مقام ہے۔

⓫ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نبی ﷺ کے کفن مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

"إن رسول اللہ ﷺ کُفن في ثلاثة أثواب بيض سحولية ليس فيها قميص ولا عمامة" (بخاری کتاب الجنائز باب الکفن بلا عمامۃ: ۱۲۷۳، مسلم: ۹۴۱)

''رسول اللہ ﷺ کو مقام سحول کے تین سفید دھلے ہوئے کپڑوں میں کفن دیا گیا ان کپڑوں میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں تھا۔''

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے پانچ مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے نبی ﷺ کے کفن میں قمیص اور عمامہ کے نہ ہونے کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ جب تک زندہ رہے تو قمیص اور عمامہ آپ کا خاص لباس تھا۔ البتہ محرم کی طرح میت کے لئے بھی قمیص اور عمامے کا استعمال درست نہیں ہے۔ آج کل قمیص کا استعمال تو عام ہے، البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ قمیص کے ساتھ ساتھ عمامہ کا استعمال بھی عام کیا جائے کہ یہ نبی کریم ﷺ سے محبت کی دلیل ہے۔

⓬ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الإسبال في الإزار والقميص والعمامة، من جَرَّ منها شيئًا خيلاء لا ينظر الله إليه يوم القيامة» ''درازیٔ ازار، قمیص اور عمامہ (سب میں گناہ ہے)۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کو تکبر سے دراز کرے گا اور ٹخنوں کے نیچے تک اُنہیں لٹکائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔

(سنن نسائی: ۵۳۳۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۹۴، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۳۲ وقال الالبانی وعلی زئی: صحیح)

احادیث میں اِزار وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے تک لٹکانے والے کے متعلق سخت وعید ذکر کی گئی ہیں۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا اور نہ اُنہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ نبی ﷺ نے اس بات کو تین مرتبہ دہرایا۔ سیدنا ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: خراب و خاسر ہوگئے یہ لوگ۔

www.KitaboSunnat.com

کون لوگ ہیں یہ اے اللہ کے رسول ﷺ!؟ تو آپؐ نے فرمایا: اِزار کو لٹکانے والا، اِحسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سودا فروخت کرنے والا۔ (صحیح مسلم:۱۰۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۸۷)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (پہلی اُمتوں میں سے) ایک شخص اپنی اِزار کو تکبر کے سبب گھسیٹتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (صحیح بخاری:۳۴۸۵)

صحیح مسلم (رقم:۲۰۸۸) میں بالوں پر فخر کرنے کا بھی ذکر آیا ہے اور آج یہ دونوں چیزیں نوجوانوں میں دیوانگی کی حد تک موجود ہیں۔ بالوں پر ان کی ہر وقت نظر رہتی ہے۔ یہاں زلف کا کوئی بال پریشان ہوا اور فوراً ہی کنگھی جیب سے باہر آ گئی اور اِزار (پتلون وغیرہ) کو تو اس قدر لٹکایا جاتا ہے کہ وہ زمین پر گھسٹتی ہی چلی جاتی ہے۔

۱۳ سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے مثلاً یہ عمامہ ہے یا قمیص یا چادر ہے اور پھر فرماتے: «اللهم لك الحمد أنت كسوتنيه أسألك خيره وخير ما صُنِع له وأعوذ بك من شره وشر ما صُنِع له» (ترمذی:۱۷۶۷، ابوداؤد:۴۰۲۰، مشکوٰۃ:۴۳۴۲ وقال الالبانی: اسنادہ صحیح)

''اے اللہ آپ ہی کے لئے تعریف ہے کہ آپ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا، میں تجھ سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی کہ جس کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے اور اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے، اس کے شر سے۔''

۱۴ سیدہ عائشہ صدیقہؓ ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ دوپہر کی گرمی میں ہم اپنے گھر کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے میرے والد ابوبکرؓ سے کہا: وہ دیکھو رسول اللہ ﷺ چادر سے سر کو ڈھکے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ (صحیح بخاری: ۵۸۰۷) اَلتَقَنُّع کا مطلب یہ ہے کہ ''سر پر کپڑا ڈال کر سر چھپانا'' اور اسی سے مُتَقَنِّعًا کا لفظ بنا ہے جس کا مطلب 'سر کو ڈھانپتے ہوئے' بنتا ہے۔

۱۵ سیدنا براء بن عازبؓ نے ایک طویل حدیث میں ابورافع یہودی کے قتل کا واقعہ بیان کیا ہے جسے سیدنا عبداللہ بن عتیک انصاریؓ نے ایک عجیب حیلہ سے آخر کار قتل کر ڈالا۔ اور

www.KitaboSunnat.com

واپسی میں سیڑھیوں سے اُترتے وقت گر پڑے جس سے ان کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پس اُنہوں نے اپنے عمامہ سے پنڈلی کو باندھ لیا۔ فعصبتها بعمامة (بخاری:۴۰۳۹)

ابو رافع یہودی نبی ﷺ کا شدید دشمن تھا اور وہ آپ کو اذیت پہنچاتا اور آپ کے دشمنوں کی مدد کرتا رہتا تھا لہٰذا اس کا قتل ضروری ہوگیا تھا۔ اس حدیث میں عمامہ کا کہیں بھی ذکر نہیں تھا لیکن جب عبداللہ بن عتیکؓ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اُنہیں کپڑے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُنہوں نے اپنے سر سے عمامہ اتارا۔ اس طرح عمامہ کا ذکر بھی اس حدیث میں آ گیا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ صحابہ کرامؓ عموماً اپنے سروں پر عمامہ باندھتے تھے اور یہ حدیث اس بات کی زبردست شاہد ہے۔ نیز یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ واقعہ نبی ﷺ کے دور کا ہے۔

⑯ سیدنا سہل بن حنظلہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ عیینہ بن حصنؓ اور اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ نے معاویہ کو حکم دیا کہ ان کے لئے لکھ دے چنانچہ اُنہوں نے لکھ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر مہر ثبت فرمائی اور اس تحریر کو ان کے حوالے کیا۔ عیینہؓ نے پوچھا کہ اس تحریر میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس بات کا تم نے تقاضا کیا تھا، وہ اس تحریر میں ہے۔ پس اُنہوں نے اسے قبول کیا اور اپنے عمامہ میں اسے باندھ لیا۔ (مسند احمد:۴/۱۸۰،۱۸۱ 'صحیح')

⑰ سیدنا محمد بن یحییٰؒ بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی حدرد اسلمیؓ کو نبی ﷺ نے یہودی کا قرضہ اُتارنے کا حکم دیا تو وہ بازار گئے اور اپنے سر سے عمامہ اُتارا اور پھر بردہ (ایک دھاری دار چادر) اُتاری اور اسے بیچ ڈالا۔ (مسند احمد:۳/۴۲۳)

یہ حدیث صحیح ہے اور مرفوع ہے کیونکہ صحابی رسول اللہ ﷺ نے نبی ﷺ کے سامنے عمامہ پہن رکھا تھا۔ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ (عبدالرحمٰن) ابوحدرد اسلمیؓ صحابی ہیں جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ابوحدرد اسلمی کو صحابی قرار دیا ہے اور ابن ابی الحدرد اسلمی کو ان سے راوی بتایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل

⑱ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں:

"خرج رسول اللہ ﷺ وعليه مِلحَفَةٌ متعطفا بها على منكبيه وعليه عصابة دَسماء..." (صحیح بخاری:۳۸۰۰)

"رسول اللہ ﷺ ایک چادر اپنے مونڈھوں سے لپیٹ کر باہر تشریف لائے اور آپ اپنے سر پر ایک چکنے کپڑے کی پٹی باندھے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا: اما بعد! لوگو، دوسری قومیں بڑھتی جارہی ہیں اور اَنصار کم ہورہے ہیں اور کم ہوتے ہوئے آٹے میں نمک کے برابر رہ جائیں گے۔ پھر تم میں سے جس شخص کو ایسی حکومت ملے جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے تو وہ اَنصار کے اچھے آدمی کی قدر کرے اور بُرے کے قصور سے درگزر کرے۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: وكان آخر مجلس جلسه (صحیح بخاری:۹۲۷)

"اور یہ آپ کی آخری مجلس تھی جس میں آپ تشریف فرما ہوئے۔"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: خرج رسول الله في مرضه الذي مات فيه بملحفة قد عصب بعصابة دسماء حتى جلس على المنبر (بخاری:۳۶۲۸)

رسول اللہ ﷺ اپنی اس بیماری میں جس میں آپ نے وفات پائی تھی، تشریف لائے۔ آپ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور ایک چکنے کپڑے کو آپ نے اپنے سر پر لپیٹ رکھا تھا.....

اس حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ فكان ذلك اٰخر مجلس فيه النبيﷺ

"پس یہ آخری مجلس تھی کہ جس میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے۔"

⑲ سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں:

"سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عباسؓ انصار کی ایک مجلس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ اُنہوں نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ تو جواب ملا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی مجالس یاد آرہی ہیں۔ پس وہ دونوں ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو اس بات کی اطلاع دی۔

قال: فخرج النبيﷺ وقد عصب على رأسه حاشية برد قال فصعد المنبر ولم يصعده بعد ذلك اليوم..." پس ﷺ اس حال میں نکلے کہ آپ اپنے سر پر چادر کا

www.KitaboSunnat.com

حاشیہ باندھے ہوئے تھے۔ پس آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اس دن کے بعد آپ دوبارہ منبر پر تشریف فرما نہ ہوئے (یعنی یہ آپ کا آخری خطبہ تھا)۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: لوگو! میں تم کو انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں پس وہ میری جان وجگر ہیں ان پر جو (میرا حق) تھا، وہ انصار ادا کر چکے ہیں اب ان کا حق باقی ہے۔ ان میں جو نیک ہو تو اس کی قدر کرنا اور جو بُرا ہو اس کے قصور سے درگزر کرنا۔''

(صحیح بخاری:۳۷۹۹)

قد عصب بعصابة دسماء کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے سر پر ایک چکنا کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ عَصْبٌ کے معنی لپیٹنا، باندھنا، گرد پھیرنا کے ہیں اور اسی سے عصبة کا لفظ بنا ہے جس کا مطلب پٹی، (بڑا) رومال، عمامہ کے ہیں۔ (لغات الحدیث:۳/۱۱۶)

اور دوسری روایت میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے: وقد عصبت علی رأسه حاشية برد ''اور آپ اپنے سر پر چادر کا حاشیہ باندھے ہوئے تھے۔ الغرض آپ نے اپنے سر پر کپڑا باندھ کھا تھا یا آگے سر پر عمامہ تھا، بات ایک ہی بنتی ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ آپ کا آخری عمل سر کو ڈھکے ہوئے ہی تھا اور سر کو ڈھکنے کی یہ بھی زبردست دلیل ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے موقع پر جو خطبہ دیا تھا، اس وقت بھی آپؐ کے سر پر عمامہ تھا اور اس آخری خطبہ میں بھی عمامہ آپ کے سر پر موجود تھا۔ کیونکہ جو کپڑا سر پر لپیٹا جائے، وہ عمامہ کہلاتا ہے اور اس حدیث سے ننگے سر رہنے کی تردید ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سنت سے محبت رکھنے والوں کو ننگے سر ہونے سے بچنا چاہئے۔

ان تمام احادیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ عمامہ ایک محبِّ رسول مسلمان کے لباس میں شامل ہونا چاہئے اور عمامہ سر کو ڈھانپنے کی ایک مستقل سنت ہے اور ننگے سر کے مقابلے میں عمامہ اور ٹوپی وقار کی علامت قرار پاتی ہے۔ احادیث میں ٹوپی کے مقابلے میں عمامہ کی احادیث بہت زیادہ اور کثرت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔ البتہ ٹوپی کی ترغیب پر بھی صحیح روایات موجود ہیں جن کا ذکر ٹوپی کے عنوان کے تحت آئے گا☆ ان شاء اللہ تعالیٰ

آثارِ صحابہ کرامؓ

www.KitaboSunnat.com

❶ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے پانچ مرفوع روایات عمامہ کے سلسلہ میں گزر چکی ہیں جس میں سے ایک روایت میں بَرْنَسْ (بڑی ٹوپی) کا بھی ذکر ہے اور انہی سے مروی ترمذی کی حدیث کے تحت ان کا ایک اثر بھی گزر چکا ہے۔ اب ان کا دوسرا اثر بھی ملاحظہ فرمائیں:

❷ سیدنا عبداللہ بن دینارؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جب مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے تو ایک گدھا بھی اپنے ساتھ رکھتے جب وہ اونٹ کی سواری سے تھک جاتے تو آسانی اور آرام کے لئے گدھے پر سواری کرتے تھے اور ایک عمامہ جسے وہ سر پر باندھے رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ اپنے گدھے پر جارہے تھے کہ ایک دیہاتی سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تو فلاں کا بیٹا اور فلاں کا پوتا ہے، اس نے کہا: جی ہاں! اُنہوں نے اس اَعرابی کو گدھا دے دیا اور فرمایا: اس پر سوار ہوجا اور عمامہ بھی دیا اور فرمایا کہ اسے اپنے سر پر باندھ لے۔ ان کے بعض ساتھیوں (عبداللہ بن دینارؒ) نے کہا:

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے! آپ نے اپنی آرام دہ سواری (گدھا) ان کو دے دیا اور عمامہ بھی ان کو دے دیا جسے آپ اپنے سر پر باندھتے تھے۔ پس اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''نیکیوں میں سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں سے حسن سلوک کرے اور اس دیہاتی کا باپ حضرت عمرؓ کا دوست تھا۔'' (صحیح مسلم:۲۵۵۲)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کی اتباع کرنے والے اور ان سے بے پناہ محبت کرنے والے تھے اور اس کا اندازہ احادیث کے مطالعہسے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ سیدنا عبیدؒ بن جریج روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ چار باتیں ایسی ہیں کہ میں آپ کو ہی کرتے دیکھتا ہوں اور آپ کے دوسرے ساتھی ان پر عمل نہیں کرتے۔ (ان میں سے ایک چیز انہوں نے یہ ذکر کی کہ) آپ النعال السبتیة ''بغیر بالوں والے جوتے'' ہی پہنتے ہیں۔ تو سیدنا عبداللہؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ بغیر بالوں والے جوتے ہی پہنتے تھے اور ان کو پہنے پہنے آپ وضو بھی فرماتے۔ اس لئے میں بھی ان کا پہننا ہی پسند کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری:۵۸۵۱)

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرامؓ نبی ﷺ کی سنتوں سے کس قدر پیار کیا کرتے تھے، اس کا اندازہ سیدنا انس بن مالکؓ کے طرزِ عمل سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ سیدنا انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ

''رسول اللہ ﷺ اپنے ایک درزی غلام کے ہاں تشریف لائے۔ وہ آپ کے لئے کدو (کا سالن) لے کر آیا، آپ اسے کھانے لگے۔ سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے رسول ﷺ کو کدو کھاتے دیکھا، تب سے میں اسے پسند (محبت) کرتا ہوں۔'' (صحیح بخاری: ۵۴۳۳)

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ہمیشہ اپنے سر پر عمامہ باندھے رکھتے تھے۔

❸ سیدنا نافعؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ عمامہ باندھتے تھے اور اس کے سرے (شملے) کو دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکاتے۔ امام عبیداللہ بن عمرؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ہمارے بہت سے أَشْیَاخ (شیخ کی جمع یعنی اساتذہ) نے خبر دی ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ کرامؓ عمامے باندھتے تھے اور ان کے سروں کو وہ کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۴۷، طبع بیروت 'صحیح')

❹ سیدنا ابوعمر مولیٰ اسماءؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو ایک عمامہ خریدتے ہوئے دیکھا کہ جس پر نشان (بیل بوٹے) بنے ہوئے تھے۔ (ابن ماجہ: ۳۵۹۴ 'صحیح')

❺ سیدنا جویریہ بن قدامہؒ بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطابؓ جب زخمی ہوگئے۔ وقد عصب بطنه بعمامة سوداء والدم يسيل اور اُنہوں نے عمامہ کو اپنے پیٹ کے گرد زخم پر لپیٹ رکھا تھا اور ان کا خون جاری تھا (کیونکہ آنتیں کٹ چکی تھیں)۔

(مسند احمد: ۱/۵۱ 'صحیح')

❻ سیدنا سلیمانؒ☆ بن ابی عبداللہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مہاجرین اوّلین کو پایا جو سوتی کپڑے کے عمامے باندھتے تھے۔ (جن کے رنگ) سیاہ، سفید، لال، ہرے اور زرد ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک عمامہ (کا ایک سرا) اپنے سر پر رکھتے تھے اور اس پر ٹوپی رکھتے اور پھر اس طرح عمامہ کو گھما کر باندھتے یعنی عمامہ کے کپڑے کو سر پر لپیٹ لیتے تھے۔ اور اسے ٹھوڑی کے نیچے سے نہیں نکالتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۴۷)

❼ سیدنا ہشامؒ⊙ بیان کرتے ہیں کہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ کرامؓ

www.KitaboSunnat.com

جب سجدہ کرتے تو ان کے ہاتھ کپڑوں پر ہوتے اور ان میں سے ہر شخص (گرمی اور تپش سے بچنے کے لئے) اپنے عمامہ پر سجدہ کرتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۹۸)

سیدنا حسن بصریؒ کی روایت امام بخاری نے صحیح بخاری میں بھی معلقاً ذکر فرمائی ہے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں: كان القوم يسجدون على العمامة والقلنسوة ويداه في كمه (صحیح بخاری قبل حدیث ۳۸۵)

''صحابہؓ عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کیا کرتے تھے اور ان کے دونوں ہاتھ آستینوں میں ہوتے تھے۔''

۸ سیدنا جعفر بن عمرو بن اُمیہ ضمریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں عبیداللہ بن عدی بن خیارؒ کے ساتھ سفر پر نکلا۔ جب ہم لوگ حِمص پہنچے تو عبیداللہ نے کہا کہ چلو وحشی (بن حرب حبشیؓ) سے ملتے ہیں اور اس سے سیدنا حمزہؓ کے قتل کا حال پوچھتے ہیں۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے۔ وحشیؓ حمص ہی میں رہتے تھے۔ ہم نے ان کا پتہ معلوم کیا۔ لوگوں نے بتایا: دیکھو وہ اپنے مکان کے سایہ میں بیٹھا ہے اور مشک کی طرح پھولا ہوا ہے۔ جعفرؒ نے کہا کہ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو کچھ دیر کھڑے رہے۔ پھر ہم نے اسے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا۔ اس وقت عبیداللہ اپنا عمامہ سر پر لپیٹے ہوئے تھے اور وحشیؓ کو ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا، سوائے آنکھوں اور پاؤں کے۔ عبیداللہؒ نے ان سے پوچھا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وحشیؓ نے اُن کو دیکھا اور کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم! میں اتنا جانتا ہوں کہ عدی بن خیار نے ایک عورت اُمّ قتال بنتِ ابوعیص سے نکاح کیا تھا۔ اُمّ قتال نے مکہ میں ایک بچہ جنا، میں اس کے لئے انّا ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے اس کی ماں کے ساتھ اس لڑکے کو اُٹھا لیا، پھر وہ لڑکا میں نے اس کی ماں کو دے دیا، گویا میں اب وہی پاؤں دیکھ رہا ہوں (یعنی تم وہی لڑکے ہو)۔ عبیداللہؒ نے یہ سن کر اپنے سر سے عمامہ کھول دیا۔ (صحیح بخاری: ۴۰۷۲)

مصنفِ ابن ابی شیبہ کے کتاب اللباس والزينة میں بعض صحابہؓ اور تابعین کرامؒ کے آثار بھی مذکور ہیں۔ چنانچہ عمامہ کے متعلق مزید آثار ملاحظہ ہوں، اختصار کے پیش نظر محض اثر نمبر اور اس کی فنی حیثیت کا مختصر اشارہ کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۹ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ: باب ۴۳ حدیث نمبر ۲، اس اثر کی سند صحیح ہے۔

www.KitaboSunnat.com

⑩ سیدنا زید بن ثابت انصاریؓ: باب ۴۴ حدیث ۳، اس اثر کی سند میں شریک بن عبداللہ نخعی کوفی ہیں اور امام اعمش کا عنعنہ بھی ہے۔ شواہد میں اس اثر کو پیش کیا گیا ہے۔

⑪ سیدنا انس بن مالک انصاریؓ: باب ۴۲، حدیث ۲۔ اس اثر کی سند صحیح ہے۔

⑫ سیدنا علیؓ: باب ۴۰، حدیث ۲۔ اس اثر میں امام اعمش کا عنعنہ ہے۔

⑬ سیدنا حسین بن علیؓ: باب ۴۰ حدیث ۲۱۔ اس اثر میں شریکؒ ہے جس کی روایت شواہد میں درست ہے۔

تابعین کرام رحمہم اللہ کے آثار

یہ آثار بھی مصنفِ ابن ابی شیبہ میں وارد ہیں:

① امام حسن بصریؒ: آپ کا اسم گرامی حسن بن ابوحسن بصری انصاری ہے۔ آپ کے والد کا نام یسار ہے۔ آپ ثقہ، فقیہ، فاضل اور مشہور (امام) ہیں۔ کثیر الارسال اور مدلس ہیں۔ ان کا اثر دو صحیح سندوں سے موجود ہے۔ (باب ۴۰ حدیث ۹ اور باب ۴۳ حدیث ۱۰)

② امام عبداللہ بن یزید بن قیس نخعی ابوبکر کوفیؒ ثقہ ہیں اور صحاحِ ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ ان کا اثر باب ۴۰ حدیث ۱۱ میں ہے۔ سند صحیح ہے۔

③ امام محمد بن حنفیہؒ کا نام محمد بن علی بن ابی طالب ہاشمی ابوالقاسم ابن حنفیہ مدنی ہے۔ آپ ثقہ، عالم اور صحاحِ ستہ کے راوی ہیں۔ ان کا اثر باب ۴۰، حدیث ۱۳ میں ہے۔ اس اثر کی سند صحیح ہے۔

④ امام اسود بن یزید بن قیس نخعی ابوعمرو یا ابوعبدالرحمٰن مُخَضْرَم ہے (مُخَضْرَم وہ شخص ہے جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کو پایا) ثقہ، مکثر فقیہ اور صحاحِ ستہ کے راوی ہیں۔ ان کا اثر باب ۴۰، اثر ۱۵ میں ہے۔

⑤ امام ابونضرہ کا نام منذر بن مالک بن قطعہ عبدی عوفی بصری ہے۔ ابونضرہ ان کی کنیت ہے اور اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں۔ ثقہ ہیں، صحیح مسلم اور کتبِ اربعہ کے راوی ہیں۔ ان کا اثر دو سندوں سے ہے۔ باب ۴۰، حدیث ۲۲ اور باب ۴۳، حدیث ۹ دونوں سندیں صحیح ہیں۔

⑥ امام شعبیؒ کا نام عامر بن شراحیل شعبی ابوعمر ہے۔ ثقہ مشہور ہیں، فقیہ اور فاضل ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

امام مکحولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کا اثر باب ۴۱، حدیث ۱ میں ہے، سند صحیح ہے۔

۷ امام سعید بن جبیرؒ کا نام سعید بن جبیر اسدی کوفی ہے۔ آپ ثقہ ثبت اور فقیہ ہیں۔ عائشہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ سے ان کی روایت مرسل ہے۔ اُنہیں حجاج بن یوسف کے سامنے قتل کیا گیا۔ ان کا اثر باب ۴۱، حدیث ۲ میں ہے۔ اس اثر کا راوی اسماعیل بن عبدالملکؒ صدوق لیکن کثیر الوہم ہے۔

۸ امام اخفؒ کا نام اخف بن قیس بن معاویہ بن حصین تمیمی سعدی ابوبحر ہے۔ اس کے علاوہ ان کا نام ضحاک ہے اور صَخَر بھی منقول ہے۔ آپ بھی مُخضرم، ثقہ اور صحاحِ ستہ کے راوی ہیں۔ ان کا اثر باب ۴۲ حدیث ۱ میں بہ سند صحیح موجود ہے۔

۹ قاضی شریحؒ کا نام شریح بن حارث بن قیس کوفی نخعی القاضی ابو اُمیہ ہے۔ آپ بھی مخضرم اور ثقہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو صحبت حاصل ہے۔ آپ کا اثر دو سندوں سے ہے۔ باب ۴۳ حدیث ۷ اور باب ۴۴ حدیث ۱۔ دونوں سندیں صحیح ہیں۔ شریک کے اثر کی تائید امام وکیع کے اثر سے بھی ہوتی ہے۔

۱۰ امام سالم کا نام سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب قرشی عدوی ابوعمر یا ابوعبداللہ مدنی ہے۔ مدینہ کے کبار فقہاے سبعہ سے ہیں۔ آپ ثبت، عابد اور فاضل ہیں۔ سنت اور طریقہ پر عمل پیرا ہونے میں اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ کے مشابہ تھے۔ صحاحِ ستہ کے راوی ہیں۔

۱۱ امام قاسم کا نام القاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق تیمی ہے۔ آپ ثقہ ہیں اور فقہاے مدینہ میں سے ایک ہیں۔ امام ایوبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ صحاحِ ستہ کے راوی ہیں۔ ان دونوں کا ایک اثر ترمذی کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور دوسرا اثر باب ۴۳ حدیث ۸ میں بہ سند صحیح ہے۔

۱۲ **سیدنا جبریل علیہ السلام کا عمامہ:** سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ فرعون کے غرق ہونے کے دن جبریل علیہ السلام کے عمامہ کا رنگ سیاہ تھا۔ (مصنف بن ابی شیبہ: باب ۴۰ حدیث ۱۲) امام سعید تک سند صحیح ہے۔

www.KitaboSunnat.com

مسند احمد کی ایک روایت میں عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک سوار تاتاری (ترکی) گھوڑے پر سوار ہوکر آیا اور اس کے سر پر عمامہ تھا جس کا سرا اس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان تھا۔ پس میں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے اسے دیکھا ہے؟ وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ (۶/۱۵۰،۱۵۲) اس روایت کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن عمر بن حفص عمری مدنی ضعیف ہے۔ (جاری ہے)

لاہور میں قرآن وسنت کی براہِ راست تعلیم کی سب سے بڑی درسگاہ
جامعة لاهور الإسلامية میں داخلے جاری ہیں۔
نئے عزم وولولے اور تعلیمی وانتظامی معیار واصلاحات کے ساتھ
جامعہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوچکا ہے!
قابل ترین اور انتہائی تجربہ کار اساتذہ کی زیرنگرانی تعلیم وتربیت کا نادر موقع
قابل ومحنتی طلبہ کیلئے ماہوار 300 روپے وظیفہ
ہر سال بہترین مثالی طلبہ کے لئے حج وعمرہ کے ۵ بیش قیمت انعام
بنیادی اہلیت: مڈل یا حفظِ قرآن ..... ششم تا بی اے، سکول کی لازمی تعلیم
حافظ حسن مدنی بن حافظ عبدالرحمٰن مدنی (مدیر التعلیم) ۹۱/ بابر بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

محمد رفیق چودھری

جاوید احمد غامدی اور انکارِ حدیث

ہمارے زمانے میں فتنۂ انکارِ حدیث کی آبیاری کرنے والوں میں ایک نام جاوید احمد غامدی صاحب کا بھی ہے۔ موصوف اپنی چرب زبانی، لفاظی اور منطقی مغالطوں کے ذریعے اس فتنے کو ہوا دے رہے ہیں۔ اُن کو الیکٹرانک میڈیا، چند سرمایہ داروں کی توجہ اور سرکار دربار کی نوکری وسرپرستی حاصل ہے۔

میرے نزدیک غامدی صاحب نہ صرف منکرِ حدیث ہیں بلکہ اسلام کے متوازی ایک الگ مذہب کے علمبردار ہیں۔ ان کے بارے میں، سال بھر سے مسلسل میں ماہنامہ 'محدث' میں لکھ رہا ہوں اور یہ تمام تحریریں ایک مستقل کتاب کتاب 'غامدی مذہب کیا ہے؟' کی صورت میں مطبوعہ شکل میں سامنے آچکی ہیں جس میں دلائل و براہین اور حوالہ جات کے ساتھ اس فتنۂ تازہ کا علمی تعاقب کیا گیا ہے۔

غامدی صاحب کے منکرِ حدیث ہونے کے کئی وجوہ ہیں۔ وہ اپنے من گھڑت اُصولِ حدیث رکھتے ہیں۔ حدیث وسنت کی اصطلاحات کی معنوی تحریف کرتے ہیں اور ہزاروں اَحادیثِ صحیحہ کی حجیت کا انکار کرتے ہیں۔

حدیث وسنت کے بارے میں ان کے انوکھے نظریات کی فہرست کافی طویل ہے لیکن ہماری موجودہ گفتگو 'سنت' کے اصطلاحی مفہوم تک محدود رہے گی۔ باقی مباحث ان شاء اللہ محدث کے آئندہ شماروں میں بیان کئے جاتے رہیں گے۔

☜ 'سنت' کی اصطلاح کا مفہوم بدلتے ہوئے غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری

www.KitaboSunnat.com

فرمایا ہے۔ قرآن میں اس کا حکم آپ کے لئے اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (النحل ۱۲۳)

''پھر ہم نے تمہیں وحی کی کہ ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یکسو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔'' (میزان: ص ۱۰، اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور؛ اُصول ومبادی: ص ۱۰، فروری ۲۰۰۵ء، لاہور)

اسلامی شریعت میں 'سنت' کی اصطلاح کا کیا مفہوم ہے؟ یہ اصطلاح چودہ صدیوں سے اُمتِ مسلمہ کے ہاں کن معنوں میں مستعمل ہے؟ اور غامدی صاحب اس اصطلاح سے اپنا کیا مفہوم نکال رہے ہیں اور اس بارے میں قرآنِ مجید کی جس آیت سے وہ دلیل پیش کررہے ہیں، وہ کہاں تک صحیح دلیل ہے؟ اس پر بعد میں گفتگو کی جائے گی۔ سردست ہمیں ان کے اس اندازِ بیان اور طرزِ کلام کے حوالے سے کچھ عرض کرنا ہے جو اُنہوں نے سنت کا مطلب بیان کرتے ہوئے اختیار فرمایا ہے: ''سنت سے ہماری مراد یہ ہے.....''

غامدی صاحب کو یاد رکھنا چاہئے کہ 'سنت' ایک اسلامی شرعی اصطلاح ہے جو اپنا ایک مسلمہ اور متعین مفہوم رکھتی ہے۔ یہ مقدس اصطلاح کسی کی ذاتی جاگیر نہیں کہ کوئی شخص اُٹھ کر اپنے جی سے، جو چاہے اس سے مراد لیتا پھرے۔ معاف کیجئے، یہ اندازِ کلام اس طرح کا ہے جیسے کوئی سرپھرا شخص یوں دعویٰ کرے کہ

- ''نماز (اقامتِ صلوٰۃ) سے 'ہماری مراد' دینِ موسوی کی وہ روایت ہے.....''
- ''روزے (صوم) سے 'ہماری مراد' دین عیسوی کی وہ روایت ہے.....''
- ''حج سے 'ہماری مراد' دین سلیمانی کی وہ روایت ہے.....''
- ''زکوٰۃ سے 'ہماری مراد' دین داؤدی کی وہ روایت ہے.....''
- ''صحیح حدیث سے 'ہماری مراد' وہ خبر یا اطلاع ہے جو کبوتر یا ہُدہُد کے ذریعے موصول ہو۔''
- ''مجتہد سے 'ہماری مراد' ایسا شخص ہے جو انتہائی کوشش اور جدوجہد کے بعد ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھ جائے۔
- ''فقہ سے 'ہماری مراد' وہ علم ہے جو کسی شخص کو بگلے کی طرح پانی میں ایک ٹانگ پر کھڑا ہوکر غور وفکر کرنے کے بعد حاصل ہو۔''

www.KitaboSunnat.com

* ''مفتی سے 'ہماری مراد' وہ آدمی ہے جو سرکاری خرچ پر مفت حج کر کے آئے۔''
* ''خلیفہ سے 'ہماری مراد' لکھنؤ کا حجام ہے۔''

کیا ایسے سرپھرے شخص کے ان دعاوی کو کوئی معقول آدمی تسلیم کرسکتا ہے؟ کیا ایک مسلمان معاشرے میں اس طرح کے تَلَعُّب بالدین اور اسلامی اصطلاحات سے کھیل مذاق کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ غامدی صاحب! ہوش کے ناخن لیں۔ آپ یہ لوگوں کو دین سمجھا رہے ہیں یا اپنی ہوائے نفس کا اظہار فرما رہے ہیں؟ ع

تمہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

دین کی اصطلاحات کے مسلمہ معانی و مفاہیم بدلنا ہمارے ہاں کے منکرین حدیث کی پرانی عادت ہے۔ مشہور منکرِ حدیث پرویز صاحب نے بھی بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے اپنی تحریروں میں یہ حربہ اختیار کیا ہے۔ اُنہوں نے صلوٰۃ، زکوٰۃ، جنت، جہنم، جنات، آدم، ملائکہ، حتیٰ کہ 'اللہ و رسول' کے مسلمہ اصطلاحی مطالب بدل ڈالے جس کے سبب پاکستان بھر کے ڈیڑھ ہزار علماے کرام اپنے دستخطوں کے ساتھ اُن پر کفر کا فتویٰ لگانے پر مجبور ہوئے۔

دینی اصطلاحات کے مسلمہ معنی و مفہوم کو بدل ڈالنا ایک عظیم گمراہی ہے، شرارت ہے، فتنہ ہے اور اِلحاد و زندقہ ہے۔ خود غامدی صاحب کے اُستاد اور اُستاذ الاستاذ جن کا شاگرد کہلانا وہ اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں اور جن کی فکر کے وہ علمبردار بنتے ہیں، ایسی شنیع حرکت کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' کے 'مقدمہ' میں لکھتے ہیں:

''اُمت کے جس تواتر نے قرآنِ کریم کو ہم تک منتقل کیا ہے، اسی تواتر نے دین کی تمام اصطلاحات کا عملی مفہوم بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر فرق ہے تو یہ فرق ہے کہ ایک چیز قولی تواتر سے منتقل ہوئی ہے، دوسری چیز عملی تواتر سے۔ اس وجہ سے اگر قرآنِ مجید کو ماننا ہم پر واجب ہے تو ان ساری اصطلاحات کی اس عملی صورت کو ماننا بھی واجب ہے جو سلف سے خلف تک بالتواتر منتقل ہوئی ہیں۔'' (مقدمہ 'تدبر قرآن': جلد اوّل رص ۲۹، مطبوعہ ۱۹۸۳ء)

پھر دینی اصطلاحات کے مطالب بدلنے کو مولانا اصلاحی 'منکرینِ حدیث کی جسارت' قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

''منکرین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ اور عمرہ وقربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور اُمت کے تواتر نے ان کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے، اس میں ہوائے نفس کے مطابق ترمیم وتغیر کرنا چاہتے ہیں، صریحاً خود قرآنِ مجید کے انکار کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ جس تواتر نے ہم تک قرآن کو منتقل کیا ہے، اسی تواتر نے ان اصطلاحات کی عملی صورتوں کو بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر وہ اُن کو نہیں مانتے تو پھر خود قرآن کو ماننے کے لئے بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اصطلاحات کے معاملے میں تنہا لغت پر اعتماد بھی ایک بالکل غلط چیز ہے۔'' (مقدمہ 'تدبر قرآن': جلد اوّل، ص۲۹، مطبوعہ ۱۹۸۳ء)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک کسی دینی اصطلاح کے معنی بدلنے کا مطلب اس کا انکار ہے۔ اس بنا پر غامدی صاحب کا 'سنت' کی اصطلاح کے معنی بدلنا 'سنت' کا انکار ہے۔ اس لئے وہ اپنے استاد کے اُصول کے مطابق منکر حدیث وسنت قرار پاتے ہیں۔

آگے چل کر مولانا اصلاحی نے اس بارے میں اپنے اُستاد مولانا فراہیؒ کا یہ مسلک لکھا ہے کہ ''ان دینی اصطلاحات کے بارے میں مولانا فراہی اپنے مقدمہ تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اسی طرح تمام اصطلاحاتِ شرعیہ مثلاً نماز، زکوٰۃ، جہاد، روزہ، حج، مسجدِ حرام، صفا، مروہ اور مناسکِ حج وغیرہ اور اُن سے جو اعمال متعلق ہیں، تواتر وتوارث کے ساتھ سلف سے لے کر خلف تک سب محفوظ رہے۔ اس میں جو معمولی جزوی اختلافات ہیں، وہ بالکل ناقابل لحاظ ہیں ..... پس جب ایسے اصطلاحی الفاظ کا معاملہ پیش آئے جن کی پوری حدود تصویر قرآن میں نہ بیان ہوئی ہو تو صحیح راہ یہ ہے کہ جتنے حصے پر تمام اُمت متفق ہے، اتنے پر قناعت کرو۔''

(مقدمہ 'تدبر قرآن': جلد اوّل ص۲۹، ۳۰، مطبوعہ ۱۹۸۳ء)

میں نے اس مقام پر دانستہ طور پر مولانا اصلاحی اور مولانا فراہی کی تحریروں کے اقتباسات دیئے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ غامدی صاحب پوری اُمتِ مسلمہ میں سے صرف انہی دو حضرات کو علما سمجھتے ہیں اور اِن کو 'آسمان' کا درجہ دیتے ہیں۔ باقی علماے اُمت کو وہ 'خاک' کے برابر سمجھتے ہیں جیسا کہ اُنہوں نے اپنی کتاب 'مقامات' میں لکھا ہے:

''میں نے بھی بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا لیکن امین احسن اور اُن کے اُستاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

غالبؔ نکتہ داں سے کیا نسبت خاک کو آسماں سے کیا نسبت

(مقامات: صفحہ ۵۷، ۵۸، طبع دسمبر ۲۰۰۱ء، لاہور)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غامدی صاحب ان دونوں حضرات کے مسلک کے خلاف بھی اپنے کچھ ذاتی نظریات رکھتے ہیں اور محض مفاد کے حصول کے لئے ان حضرات سے اپنی شاگردی کا دعویٰ کرتے، ان سے نسبت جوڑتے اور ان کا نام غلط طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ورنہ عورت کے پردہ، مجسمہ سازی، موسیقی، داڑھی، عورت کی امامت، جہاد، مسئلہ تکفیر، یاجوج ماجوج اور غیر مسلم سے عورت کا نکاح جیسے بیسیوں مسائل و اُمور ہیں جن میں شاگرد کا اپنے اُستادوں سے اختلاف ہے۔ پھر نہ صرف مسائل میں بلکہ اُصول دین میں بھی واضح اختلاف موجود ہے۔

اب اصل بحث کی طرف آیئے:

غامدی صاحب نے 'سنت' کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کی ہے جبکہ 'سنت' کی ابتدا تمام علماے اُمت کے نزدیک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہوتی ہے، اسی لئے اسے 'سنت رسولؐ' کہا جاتا ہے نہ کہ..... 'دین ابراہیمی کی روایت'

سنت کا خود ساختہ مفہوم لینے کے لئے غامدی صاحب سورۃ النحل کی درج ذیل آیت پیش کرتے ہیں:

﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (النحل:۱۲۳)

''پھر ہم نے (اے نبیؐ!) تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کریں جو یکسو تھے اور شرک کرنے والے نہ تھے۔''

مگر اس آیت سے غامدی صاحب نے جو استدلال کیا ہے، وہ قرآن کی معنوی تحریف کے زمرے میں آتا ہے، کیونکہ

① مذکورہ آیت میں بلا شبہ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ یعنی دین ابراہیمؑ کا ذکر آیا ہے کیونکہ مِلَّة کے معنی دین کے ہیں۔ مگر اس آیت سے 'دین ابراہیم کی روایت' کیسے برآمد ہوگئی؟ اور یہ کس چڑیا کا نام ہے.....؟ یہ روایت کا مفہوم آیت کے کس لفظ سے نکلتا ہے؟

www.KitaboSunnat.com

④ مذکورہ آیت میں بے شک نبی ﷺ کو 'ملتِ ابراہیم' یعنی 'دینِ ابراہیمی' کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے مگر اس آیت میں یہ بات کہاں ہے کہ اس کی پیروی کرتے ہوئے نبی ﷺ اس دین ابراہیم کی تجدید واصلاح بھی فرمائیں، اس میں اپنی طرف سے اضافے بھی کردیں، اور پھر جو کچھ تیار ہوجائے، اسے اپنے ماننے والوں میں 'دین کی حیثیت سے جاری' فرمادیں؟''

یہ سارا مفہوم غامدی صاحب کے اپنے ذہن کی اُپج ہے جسے اُنہوں نے آیت کی طرف منسوب کردیا ہے۔ اُنہوں نے اپنے ذاتی خیالات کو قرآنِ مجید کی عبارت میں پڑھنے کی عمدہ مثال قائم کردی ہے جو ٹھیک ٹھیک مذموم تفسیر بالرائے اور قرآن کی معنوی تحریف ہے۔

قرآنی آیات کی معنوی تحریف کرکے ان سے اپنے من پسند نظریات برآمد کرنا دوسرے منکرین حدیث کی طرح غامدی صاحب کی بھی عادت ہے۔ اس حوالے سے ہم نے بہت سی مثالیں اپنی کتاب 'غامدی مذہب کیا ہے؟' میں پیش کردی ہیں۔

آیت میں مِلَّة کا لفظ آیا ہے جس کے معنی دین اور مذہب کے ہیں۔ مشہور عربی لغت لسان العرب میں ہے: المِلَّة: 'الدين' كمِلَّة الاسلام والنَّصرانية واليهودية

''ملت کے معنی دین کے ہیں جیسے دین اسلام، نصرانیت (عیسائیت) کا دین، یہودیت کا دین۔'' (لسان العرب از ابن منظور: زیر مادّہ 'ملل')

قرآنِ مجید میں بھی مِلَّة کا لفظ دین اور مذہب کے معنوں میں آیا ہے، مثال کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

① ﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (البقرۃ:۱۲۰)

''اور یہودی اور عیسائی تجھ سے اُس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک تو اُن کا 'مذہب' اختیار نہ کرے۔''

② قومِ شعیبؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ * قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا﴾ (الاعراف:۸۸،۸۹)

www.KitaboSunnat.com

''اُس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیبؑ! ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تمہیں ہمارے 'مذہب' میں واپس آنا ہوگا۔'' شعیبؑ نے کہا: ''اگر ہم تمہارے 'مذہب' سے بیزار ہوں تو کیا پھر بھی تمہاری بات مان لیں۔ ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر ہم تمہارے 'مذہب' میں لوٹ آئیں۔ کیونکہ اللہ ہمیں اس سے بچا چکا ہے۔''

③ ایک مقام پر نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے بارے میں یہ کہیں:

﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (الانعام:۱۶۱)

''کہہ دیجئے کہ میرے ربّ نے مجھے سیدھا راستہ بتا دیا ہے۔ وہی صحیح دین جو ابراہیمؑ کا دین تھا جو کہ موحد تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔''

واضح ہوا کہ اس جگہ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کا بدل ہے: دِیْنًا قِیَمًا اور اُس کا بدل ہے مِلَّةَ اِبرَاهِیْمَ اور تینوں کا مطلب ہے 'دین اسلام'!

④ ﴿وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾ (البقرۃ:۱۳۰)

''اور ایسا کون ہے جو ابراہیمؑ کے 'دین' سے منہ موڑے؟ سوائے اس شخص کے جس نے اپنے آپ کو احمق بنا لیا ہو۔''

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ مِلَّة کے معنی دین اور مذہب کے ہیں مگر غامدی صاحب نے مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ کے معنی ابراہیمؑ کا دین، لینے کی بجائے اس کے معنی 'دین ابراہیم کی روایت' کرکے دوسروں کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح وہ جس آیت سے اپنی 'سنت' (دین ابراہیم کی روایت) کا مفہوم کشید کرتے ہیں، اس میں سرے سے یہ معنی موجود نہیں ہیں۔

❁ حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام کا دین تو ایک ہی تھا مگر شریعتیں الگ الگ تھیں، اس کی دلیل خود قرآن مجید میں ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾

www.KitaboSunnat.com

''ہم نے تم میں سے ہر اُمت کے لئے الگ شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تم سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔'' (المائدۃ:۴۸)

غامدی صاحب کے اُستاد مولانا امین احسن اصلاحی بھی اس حقیقت کو مانتے ہیں کہ تمام نبیوں اور اُن کی اُمتوں کے لئے ایک ہی دین تھا لیکن سب کی شریعت الگ الگ تھی۔ چنانچہ وہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ''مختلف اُمتوں کی شریعت کے اختلاف کی حکمت'' کے عنوان کے ساتھ لکھتے ہیں کہ

''جہاں تک دین کے حقائق کا تعلق ہے، وہ ہمیشہ سے غیر متغیر ہیں اور غیر متغیر ہی رہیں گے لیکن شریعت کے ظواہر و رسوم ہر اُمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ مقرر فرمائے تاکہ یہ چیز اُمتوں کے امتحان کا ذریعہ بنے۔'' (تدبر قرآن: جلد دوم رص ۵۳۵، مطبوعہ ۱۹۸۳ء، لاہور)

قرآن نے یہ حقیقت کئی مقامات پر واضح کی ہے کہ تمام انبیاے کرام کا ایک ہی دین تھا۔ ایک مقام پر ارشاد ہوا کہ حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کی اُمت کے لئے وہی دین مقرر ہے جو حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا دین تھا اور اسی دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور اے نبیؐ! اسی دین کی وحی ہم نے آپؐ کی طرف کی ہے اور اسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

ایک اور مقام پر اٹھارہ انبیاے سابقین (نوح، ابراہیم، اسحٰق، اسمٰعیل، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، ایوب، زکریا، یحییٰ، الیاس، الیسع، یونس، لوط اور عیسیٰ علیہم السلام) کا ذکر کر کے نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپؐ ان کی ہدایت یعنی دین کی پیروی کریں:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ * اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام:۸۹،۹۰)

''یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب دی، حکومت بخشی اور نبوت عطا کی۔ اب اگر یہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ (مکے والے قریش) ہماری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں تو ہم نے ان کی بجائے ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں جو ان نعمتوں کی ناشکری کرنے والے نہیں۔ (اے نبیؐ!) پہلے نبیوں کو بھی اللہ نے ہدایت بخشی، لہٰذا آپ بھی ان کی ہدایت (دین) کی پیروی کریں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صرف ابراہیم کے دین کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ تمام انبیاے کرام کی ہدایت اور دین کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ سب کا دین ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے جو سراپا ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح اور سچا دین بھی صرف اسلام ہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الإِسْلَامُ﴾ (آلِ عمران:۱۹)

''بے شک اللہ کے نزدیک (سچا) دین صرف اسلام ہے۔''

بلکہ یہاں تک فرما دیا کہ آخرت میں صرف دین اسلام مقبول دین ہوگا اور اس کے ما سوا کوئی اور دین مقبول نہ ہوگا:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آلِ عمران:۸۵)

''اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے دین کو ہرگز قبول نہ کرے گا اور وہ شخص آخرت میں گھاٹے میں رہے گا۔''

تمام انبیاے کرام کا دین اسلام رہا اور سب کی تعلیمات میں درج ذیل اُمور مشترک تھے:

وجودِ باری تعالیٰ، عقیدۂ توحید، عقیدۂ نبوت ورسالت، عقیدۂ آخرت، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتب پر ایمان، ایک اللہ کی عبادت (نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی وغیرہ)، حقوق العباد (جیسے والدین سے حسن سلوک) اور اچھے اخلاق (جیسے سچ بولنا، جھوٹ نہ بولنا وغیرہ)

گویا سب کے ہاں اسلام کے بنیادی عقائد واعمال یکساں تھے، لیکن سب کی شریعتیں جدا جدا تھیں۔ حتیٰ کہ قبلہ تک مختلف تھا جس کی طرف نماز پڑھنے سے ان کی نماز درست ہوسکتی تھی:

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (البقرۃ:۱۴۸)

''اور ہر مذہبی گروہ کا اپنا ایک قبلہ ہے جس کی طرف منہ کر کے وہ عبادت کرتا ہے مگر تم لوگ نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔''

www.KitaboSunnat.com

ان تمام تصریحات کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سورۃ النحل کی مذکورہ آیت میں حضرت محمد ﷺ کو جس دین ابراہیمی کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ وہی دین ہے جو تمام انبیاے کرام کا مشترکہ دین ہے۔ اس میں صرف دین ابراہیمی کی خصوصیت یا تخصیص نہیں ہے بلکہ قرآن میں دوسرے انبیاے کرام کا ذکر کر کے ان کی ہدایت اور دین کی اقتدا اور پیروی کرنے کا حکم بھی نبی ﷺ کو دیا گیا ہے۔ مگر غامدی صاحب دین ابراہیمی کو جو تمام انبیا کرام کا دین ہے اس کو پہلے 'دین ابراہیمی کی روایت' کا نام دیتے ہیں اور پھر اسے 'سنت' کا نام دے ڈالتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے وقت مکے میں دین ابراہیمی کی کون سی روایت موجود تھی جس کی پیروی کا حکم آپؐ کو دیا گیا تھا؟ وہاں تو قریش کی وہ حالت تھی جسے دورِ جاہلیت کہا جاتا ہے اور وہ لوگ تو شرک، بت پرستی، گمراہی اور اوہام پرستی میں مبتلا تھے۔ جاہلیت کے جو معاشرے توحید کا بنیادی عقیدہ چھوڑ چکے تھے، اس کے ہاتھ دین ابراہیمی کی کون سی روایت سے محفوظ تھی۔ اگر دین ابراہیمی کی روایت سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو دین چلا آ رہا تھا تو یہ بات حقیقت کے سراسر خلاف ہے کیونکہ ان کا دین اپنی اصلی صورت میں حضرت محمد ﷺ کے زمانے تک محفوظ نہیں رہا۔ کوئی معقول آدمی بقائمی ہوش وحواس اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نبی کا دین جب بگڑ جاتا ہے اور قوم اس کے دین کو فراموش کر بیٹھتی ہے تو اس دین کی یاد دہانی کے لیے نئے نبی کی بعثت ہوتی ہے، لیکن اگر پہلے نبی کے دین کی روایت اپنی اصلی حالت میں موجود اور محفوظ ہو تو پھر کسی نئے نبی کی بعثت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی! اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی بعثت کے وقت نہ صرف ابراہیم علیہ السلام کے دین میں بگاڑ آ چکا تھا بلکہ آپ کے بعد آنے والے انبیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السام کے دین کو بھی لوگ بھلا بیٹھے تھے جبھی تو اس کی دعوت وتبلیغ کے لیے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔

پھر سورۃ النحل کی مذکورہ آیت میں حضرت محمد ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی

www.KitaboSunnat.com

پیروی کا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ ایک تو ان دونوں انبیا کی شریعتیں الگ الگ ہیں، دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا عرب میں کوئی وجود نہ تھا جس کی پیروی کا حکم نبی ﷺ کو دیا جاتا۔

اس لیے یہ بات قرآنِ مجید سے کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ نبی ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپؐ دین ابراہیمی کی روایت میں پہلے وحی یا اجتہاد سے تجدید واصلاح فرمائیں، پھر اس میں کچھ اضافے کر دیں اور آخر میں اسے اپنے ماننے والوں پر دین کی حیثیت سے جاری فرما دیں اور اس کا نام 'سنت' رکھ دیں۔

غامدی صاحب کو میرا یہ چیلنج ہے کہ وہ 'سنت' کی جو تعریف فرما رہے ہیں اور اس کا جو مفہوم مراد لے رہے ہیں، سنت کی یہی تعریف اور یہی مفہوم وہ پوری اُمت میں سے کسی ایک محدث، فقیہ یا مجتہد کے ہاں دکھا دیں اور اگر ان کی اس 'نادر فکر' اور 'نرالے اجتہاد' سے اُمت کا کوئی صاحبِ علم متفق نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو وہ اسلامی اصطلاحات کے مفاہیم بگاڑنے کا ٹھیکہ نہ لیں، خود گمراہ نہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ 'سبیل المؤمنین' کو اختیار کریں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ چونکہ غامدی صاحب

① سنت کی ابتدا حضرت محمد ﷺ سے ماننے کی بجائے حضرت ابراہیمؑ سے مانتے ہیں۔

② 'سنت' کو تنہا نبی ﷺ کی 'روایت' قرار دینے کی بجائے دو انبیاے کرام (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ) کی مشترکہ روایت قرار دیتے ہیں۔

③ 'سنت' کی اسلامی اصطلاح کی متفقہ اور مسلمہ اجماعی تعریف اور مفہوم ..... یعنی شریعت کے وہ احکام جو رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل یا تقریر (خاموش تائید) کے ذریعے ثابت ہوں..... کو چھوڑ کر اس کی وہ من گھڑت اور خود ساختہ تعریف کرتے ہیں اور اس سے اپنا من پسند مفہوم نکالتے ہیں۔

لہٰذا ہمارے نزدیک وہ منکرین حدیث کی صف میں کھڑے ہیں اور ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ بھی 'منکر حدیث' ہیں۔ [جاری ہے]

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں

حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاہروی

شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم کوٹلویؒ (علوی)

زندگی میں بعض یادیں صفحۂ قرطاس پر لاتے ہوئے بڑی مشکل پیش آتی ہے، ایسی ہی کیفیت اس وقت میرے دل و دماغ پر بھی طاری ہے ذہن اور جسم تھکے ہوئے اور اعصاب شل ہیں۔ اُستاذِ محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم صاحب کی محبت وشفقت اور خلوص ہمارے لیے انتہائی قیمتی اثاثہ تھا۔ آپ کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتے ہیں۔ آنکھیں پرنم، خیالات منتشر اور بے چینی و پریشانی کے لمحات میں چند صفحات لکھنے کی جستجو کررہا ہوں۔ آپ کا تذکرہ آپ کے صاحبِ علم وفضل نامور تلامذہ اور ملک کی مایہ ناز ادبی، علمی شخصیات کی زبانی جاری رہے گا، کیونکہ سلف صالحین نے ایک عالم حقیقی کے جو اَوصاف بیان کیے ہیں وہ مولانا میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ علما کی کوئی نشانی ہے؟

تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ''عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل کرے اور اپنے علم اور عمل کو تھوڑا سمجھے دوسروں کے علم میں رغبت کرے اور حق جس کی طرف سے بھی اس کے پاس آتا ہو، اسے قبول کرے اور جہاں سے بھی اسے علم ملے اسے حاصل کرے۔''

اسی طرح حضرت فضل بن عیاضؒ نے فقیہ کے بارے میں فرمایا:

''إنما الفقيه الذي أنطقته الخشية وأسكتة الخشية، إن قال قال بكتاب الله والسنة وإن سكت سكت بالكتاب والسنة، وإن اشتبه عليه وقف عنده ورَدّ إلى عالمه'' (طبقات الحنابلہ:۱/۲۳۱)

''یقیناً فقیہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا خوف گویائی پر آمادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہی خاموش کردے۔ اگر وہ بات کرے تو قرآن وسنت کی بات کرے اور اگر خاموش رہے تو قرآن وسنت پر خاموش ہو۔ اگر اس کو کسی مسئلہ میں اشتباہ ہو تو بحث وتمحیص سے رُک جائے اور اسے دوسرے عالم کی طرف لوٹا دے۔''

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا اوصاف سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے شیخ کو بھی نوازا تھا۔ آپ بیک وقت مدرّس، محقق، مؤرخ، دانشور، مبصر ونقاد، جامع المعقول والمنقول اور قادرالکلام متکلم بھی تھے۔ اب آیئے ان کے ابتدائی حالات کی طرف۔ ان معلومات کا مصدر وماخذ وہ مواد ہے جو دورانِ تعلیم مختلف مواقع پر راقم خود ان سے پوچھ کر گاہے بگاہے اپنے پاس محفوظ کرتا رہا ہے۔

مختصر خاندانی حالات اور ابتدائی تعلیم

یکم جنوری ۱۹۴۰ء کو ہمارے اُستاذ نے منڈی عثمان والا ضلع قصور میں جماعت اہلحدیث کے بے باک خطیب و مناظر اور سیمابی شخصیت کے مالک، اَحرار کے سرگرم رکن مولانا عبدالرحیم کوٹلوی بن حاجی قمر دین کے گھرانے میں جنم لیا۔ مولانا عبدالرحیم نے جامعہ محمدیہ لکھوکے ضلع فیروز پور بھارت میں زیر تعلیم رہ کر دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ جب پہلی مرتبہ ۱۹۲۹ء میں مولانا محمد علی لکھوی مدینہ منورہ ہجرت کر کے جانے لگے تو مولانا عبدالرحیم بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ اُنہوں نے وہیں مسجدِ نبویؐ میں روضة من ریاض الجنة میں صحیحین (صحیح بخاری، صحیح مسلم) پڑھیں۔ فراغت کے بعد مراجعت ہوئی اور منڈی عثمان والا (روڈے) میں اقامت گزیں ہوگئے اور وہاں کی مرکزی مسجد میں امامت وخطابت اور تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں کھڈیاں خاص اور پتوکی میں بھی دعوت وتبلیغ کا عرصہ دراز تک فریضہ سرانجام دیا، وہیں ان کی وفات ہوئی۔

مولانا عبدالحلیم نے ابتدائی دینی تعلیم اور ناظرہ قرآن وغیرہ تو گھر میں والدِ گرامی سے پڑھا۔ مڈل تک عثمان والا میں زیر تعلیم رہے۔ پھر ۱۹۵۳ء میں کھڈیاں خاص سے میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا۔ مرحوم نہایت ذہین وفطین تھے اور ذہانت کی وجہ سے سکول کے تمام اساتذہ ان سے بڑی محبت کرتے۔ آپ کے اساتذہ نے آپ کے والدِ گرامی کو مشورہ دیا کہ آپ کو آگے پڑھنے دیا جائے، مگر آپ کے والدِ گرامی آپ کو صرف شریعتِ اسلامیہ کی تعلیم کے لیے وقف کرنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے آپ کی ہر طرح نگرانی کی، اخلاق وعادات اور تعلیم کے بارے میں ذرا سی سستی اور غفلت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔

تحصیل علم وتکمیل

محض تیرہ برس کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کے والدِ گرامی نے

www.KitaboSunnat.com

اُنہیں کالج میں داخل کروانے کی بجائے مدرسہ محمدیہ حفظ القرآن والحدیث (میر محمد، قصور) میں حضرت حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی حفظہ اللہ کی سرپرستی میں داخل کروادیا۔ ایک سال یہیں ترجمۃ القرآن و دیگر ابتدائی صرف ونحو وغیرہ کی کتب پڑھیں، پھر جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں ۱۹۵۵ء میں داخلہ لے لیا۔ دوسری کلاس کا امتحان ادھر ہی پاس کیا اور ۱۹۵۶ء میں مدرسہ تقویۃ الاسلام غزنویہ، لاہور میں داخلہ لیا اور اپنی باقی دینی تعلیم وہاں مکمل کی۔ دورانِ تعلیم ۱۹۵۸ء میں فاضل عربی کا امتحان لاہور بورڈ میں تیسری پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔ یاد رہے کہ اس سال فاضل عربی کے امتحان میں تقریباً ۲۱۶ لڑکوں میں سے صرف ۱۶ لڑکے پاس ہوئے تھے۔ ۱۹۵۹ء میں مدرسہ تقویۃ الاسلام کے مہتمم، برصغیر پاک و ہند کے نامور سیاست و مذہبی رہنما سید محمد داؤد غزنویؒ کے دستِ مبارک سے سندِ فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف کی دوبارہ تعلیم کی غرض سے ۱۹۶۰ء میں پھر جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں داخلہ لیا اور شرعی تعلیم سے رسمی طور پر فارغ ہوئے۔

اَساتذہ کرام

آپکے اساتذہ میں حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی، مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی، مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی، مولانا شریف اللہ خان سواتی، مولانا محمد خان، حافظ محمد اسحٰق حسینوی، حافظ محمد عبداللہ بڈھیمالوی اور عظیم محدث حافظ محمد (اعظم) گوندلویؒ جیسی نامور شخصیات شامل ہیں۔

رفقاے درس

مدرسہ تقویۃ الاسلام (غزنویہ) لاہور اور جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں درسِ بخاری میں آپ کے رفقا میں مولانا محمد رفیق جھج کلاں والے حال گوجرانوالہ، مولانا ماسٹر محمد شریف (جھج کلاں) اوکاڑہ، مولانا محمد بن عبداللہ شجاع آبادی، مولانا حافظ محمد اسمٰعیل اسد حافظ آبادی، مولانا محمد اسحٰق قادر آبادی، مولانا محمد بشیر سیالکوٹی، حافظ محمدؒ بن مولانا محی الدین لکھویؒ، قاری محمد رفیق اوکاڑوی وغیرہ شامل ہیں۔

امامت وخطابت اور تدریسی سرگرمیاں

جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد شام کوٹ ضلع قصور کی مرکزی مسجد

www.KitaboSunnat.com

غربی اہلحدیث میں بطورِ خطیب و مدرس اپنی ذمہ داری کا آغاز کیا۔ پھر ۱۹۶۵ء میں شام کوٹ نو میں الگ مسجدِ فردوس اہلحدیث کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس میں ۱۹۶۵ء تک قرآن وسنت کی تعلیم اور عوام الناس کو وعظ و تذکیر کرتے رہے۔ ۱۹۷۲ء میں جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں فاضل عربی کی تیاری کروانے کے لیے آپ کو مہتمم مدرسہ مولانا معین الدین لکھوی حفظہ اللہ نے اپنے ادارے میں خصوصی مدرّس مقرر کیا۔ جامعہ کے طلبہ پر آپ اس قدر محنت کرتے کہ فاضل عربی کے سالانہ امتحان میں طلبہ عموماً سو فیصد نمایاں کامیابی حاصل کرتے رہے۔ یہ محنت تاحال جاری تھی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ امجد چھتوی حفظہ اللہ کی جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے علیحدگی کے بعد آپ کو ۱۹۸۰ء میں بخاری شریف کی تدریس کی ذمہ داری بھی دے دی گئی جو تادمِ واپسیں آپ نے نباہی۔ اسی طرح خواتین کے مدرسہ تعلیم الصالحات، محلّہ دارالسلام اوکاڑہ میں ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ بالآخر اپنی بیماری کی وجہ سے ۵/جولائی ۱۹۹۹ء کو پڑھانے کا سلسلہ ترک کردیا۔ تقریباً گزشتہ تین سالوں سے فجر کی نماز کے بعد گھر میں کچھ نوجوان طلبہ جن میں عبدالغفور عاصم اور محمد عثمان غنی قابل ذکر ہیں، بخاری شریف پڑھنے کی غرض سے ہر روز آتے، جن کا بخاری شریف کا سبق کتاب الدعا اور مدرسہ میں طلبا کا سبق کتاب الصلوٰۃ پر تھا کہ آخری وقت آ گیا۔ خطابت کے میدان میں آپ نے ۱۹۷۷ء تا ۱۹۹۷ء تقریباً بیس برس دارالحدیث محمدیہ عام خاص باغ ملتان میں خطبہ جمعۃ المبارک پڑھایا اور مرکزی جامع مسجد فریدیہ اہلحدیث قصور میں ۱۹۹۶ء تا ۱۹۹۹ء تک خطابت کی ذمہ داری اَدا فرمائی۔

رشتہ ازدواج اور اولاد

مولانا عبدالرحیم کوٹلوی اپنے نورِ چشم مولانا عبدالحلیم کے لیے رشتے کی تلاش کی غرض سے شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد عبداللہ بڈھیمالویؒ سے ملنے اوکاڑہ میں آئے اور پوچھا کہ آپ نے صاحبزادی کی کسی جگہ نسبت وغیرہ تو نہیں کی۔ مولانا فرمانے لگے: نہیں آپ نے کہا کہ آپ مجھے کسی گھر کا پتہ دیں گے، بہتر ہے کہ آپ ہی مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ میرے بیٹے عبدالحلیم کے لیے عنایت کردیں جسے مولانا صاحب نے منظور کیا، لہٰذا مولانا عبدالحلیم ۱۹۶۱ء میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ آپ کی اولاد میں حافظ عبدالوحید (امریکہ)، ڈاکٹر عبدالکبیر محسن (راولپنڈی)، عبدالباسط، محمد عمران، عبدالحی عابد اور ایک بیٹی شامل ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

دورانِ امامت وخطابت قصہ تعویذ

تعویذ فروشی سے آپ پرہیز کرتے تھے۔دورانِ تعلیم ایک واقعہ ہمیں اُستادِ محترم نے بتایا کہ جب میں شام کوٹ میں رہائش پذیر تھا کہ ایک دن ایک نمازی آکر کہنے لگا کہ ہماری بھینس دودھ نہیں دے رہی، کوئی تعویذ وغیرہ بنادیں۔آپ نے انکار کیا، لیکن اس نے اصرار جاری رکھا۔فرمانے لگے کہ میں نے ایک کاغذ کے اوپر لکھ کر یہ جملہ دیا کہ بھینس دودھ دے دو۔شام کو آدمی بالٹی میں دودھ لے کر آگیا اور کہنے لگا: آپ تعویذ بنا کر نہیں دے رہے تھے۔ اب جو تعویذ آپ نے لکھ کر دیا، اس خوشی میں دودھ لے آیا ہوں۔

اُستادِ محترم فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں دو کام ایسے ہیں جن کو اپنانے سے کاروبار خوب فروغ پاتا ہے، اس کے لیے محنت اور جدوجہد کی ضرورت نہیں پڑتی۔ایک زمین پر (مٹی کی ڈھیری) پر جھنڈا لگا کر بیٹھنے سے اور دوسرا تعویذ فروشی سے۔

علم میں غرور سے اجتناب

مولانا مرحوم ایک بلند پایہ عالم، محقق اور ادیب تھے۔مگر اس کے باوجود ان کے مزاج میں غایت درجہ سادگی تھی۔آپ نے اپنے نام کے ساتھ زندگی بھر مولانا یا شیخ الحدیث کا اضافہ نہیں کیا، نہ کبھی گفتگو میں علمی رعب ڈالتے بلکہ دلائل و براہین کے حوالے سے سمجھاتے۔

تحمل، حلم اور بردباری

تواضع وانکساری، متانت وسنجیدگی اور تحمل و بردباری یہ تمام اوصافِ حسنہ حضرت صاحب میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔تحمل، بردباری اور حلم اتنا تھا کہ بڑے سے بڑا مخالف آدمی آجاتا اور آپ سے بات کرتا تو آپ تحمل اور حوصلے سے اس کی بات سنتے اور جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوجاتا تو پھر آپ اس کو مطمئن کرتے۔شدید ترین اختلاف میں بھی آپ نرم سے نرم الفاظ اختیار کرتے اور راہِ اعتدال پر قائم رہنے کی پوری کوشش فرماتے۔ذاتیات کی سطح تک کبھی نہیں اُترتے تھے۔آپ نے ہمیشہ اِدفع بالتي هي أحسن کا اُسوہ اختیار کیا۔

بحیثیتِ معلم ومدرس

آپ کا اندازِ تدریس آپ ہی کا خاصہ ہے۔جو بات بھی کرتے دلیل کے ساتھ کرتے۔

www.KitaboSunnat.com

آپ کے درس میں اخلاص حد درجہ تھا، یہی وجہ تھی کہ جو بات بھی آپ کے منہ سے نکلتی، فوری طور پر طلبہ کے ذہن نشین ہوجاتی۔ اگر کوئی عام آدمی چند منٹوں کے لیے آپ کے درس میں شریک ہوتا تو بہت کچھ اپنے ساتھ لے جاتا۔ احادیثِ نبویہؐ کے سلسلے میں آپ کا طریقۂ تدریس یہ ہوتا کہ پہلے سارے باب کی عبارت پڑھتے یا کسی سے پڑھواتے، پھر باب سے متعلقہ مسائل ایسے انداز میں بیان کرتے کہ تشنگی دور ہوجاتی۔ آخر میں مشکل الفاظ کی وضاحت فرماتے۔ اختلافی مسائل میں آپ کا طریقہ یہ ہوتا کہ پہلے ائمہ کی رائے اور ان کے دلائل تفصیل کے ساتھ بیان کرتے، پھر ترجیح کے دلائل بیان فرماتے تھے۔ درس کے دوران شاگردوں پر پوری توجہ ہوتی، طلبہ جتنے مرضی سوالات کرتے، آپ نے کبھی ان کو منع یا ڈانٹا نہیں تھا۔

طلبہ اور جامعہ کے اساتذہ سے برتاؤ

وہ اپنے طلبہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ طلبہ اُن پر اس حد تک اعتماد کرتے تھے کہ اپنے والدین کی مرضی کے خلاف چلنے پر آمادہ ہوجاتے مگر استادِ محترم کی نصیحتوں پر عمل کرنے کو اپنے لیے فرضِ عین سمجھتے تھے، لیکن ان کی گفتگو اس قدر سحر انگیز ہوتی کہ بغاوت پر آمادہ طلبہ کو بھی چند منٹوں میں ٹھنڈا کردیتی۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو کبھی بڑا نہیں سمجھا بلکہ اساتذہ کرام کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھتے، اسی طرح جامعہ کے دیگر ملازمین سے بھی ان کا رویہ مثالی تھا۔

عمل کے میدان میں

تقویٰ اور پرہیز گاری کے اَثرات آپ کے چہرے سے ظاہر ہوتے تھے۔ آپ کے چہرے پر ایک قسم کی نورانیت تھی، گویا آپ اس حدیث کا مصداق تھے کہ «إذا رأوا ذكروا الله» (مصنف ابن ابی شیبہ:۹۳) آپ نماز بڑی عاجزی سے پڑھتے، آپ کو دیکھنے سے لذت نصیب ہوتی، آپ کے پاس بیٹھنے سے دل کو سکون ملتا۔ ایک بار میں نے دورانِ تعلیم اُن سے پوچھا: اُستادِ محترم! مدرسہ کے حوالے سے کوئی نصیحت فرمائیے۔ کہنے لگے کہ چھوٹے بچوں کو کبھی اپنے پاس نہ بٹھانا اور نہ خود ان میں جا کر بیٹھنا، نہ ہی کسی لڑکے کو اُدھار دینا۔

اسلاف کی رائے کا احترام

ایک بات جو میں نے ذاتی طور پر ان کے علمی رویے کے بارے خصوصی محسوس کی وہ یہ

www.KitaboSunnat.com

تھی کہ ان کا اسلاف سے تعلق بڑا گہرا تھا، لہٰذا ان کی رائے کا بڑا اِحترام رکھتے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ مولانا نے اپنے استدلال کی تائید کے لیے سلف صالحین یا کسی بزرگ کا حوالہ نہ دیا ہو۔ وہ صفحہ اور سطر بھی بتاتے کہ فلاں کتاب میں فلاں مسئلہ درج ہے۔ ان کا حافظہ علماے اسلاف کی یاد دلاتا تھا۔ ایسے لوگ خال خال ہی ہوتے ہیں۔ گویا راسخون فی العلم کی عملی تصویر تھے بالخصوص اسلاف کے نیک اعمال کو اپنانے کی نصیحت فرماتے۔

حصولِ علم کا ذوق

مولانا مرحوم کی تصانیف کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے، ان کو یہ معلوم ہوگا کہ آپ کتنے بڑے محقق تھے؟ وہ جس طرح دینی مسائل میں تحقیق کرتے تھے، اسی طرح سیاسی معاملات اور دوسرے مسائل میں بھی آپ کے تبصرے حقیقت پر مبنی ہوتے۔ ان کا تبصرہ سننے والوں کی آنکھیں کھول دیتا تھا۔ تفسیر، تاویل آیات، روایت و درایت اور فقہی مسائل کے ساتھ معاشرتی حالات پر ان کے جوابات مدلل ہوتے، روزنامہ نوائے وقت ان کا پسندیدہ اخبار تھا۔ ہمیشہ ہفتہ روزہ 'تکبیر' کراچی سمیت جماعتی رسائل و جرائد کا باقاعدہ مطالعہ رکھتے تھے۔

فروعی مسائل میں اعتدال

مولانا صاحب ہمیشہ فروعی اختلافات میں اعتدال کا راستہ نکال لیتے تھے کبھی کسی پر طعن و تشنیع نہیں کی اور نہ کسی کے بارے میں غلط زبان استعمال کی۔ عالمانہ انداز میں کسی پر تنقید کرتے تھے مگر اشتعال سے ہمیشہ دور رہتے۔ ان کے نصائح بھی ایسی خصوصیات کا مرقع ہوا کرتے۔ فروعی مسائل میں ان کا کہنا تھا کہ دین کے کسی حکم اور دین کے کسی امام کو اپنے اصل مقام سے نہ بڑھاؤ اور نہ گھٹاؤ، مگر افسوس ہے کہ آج تفریق و تخریب اور فرقہ وارانہ تعصب کی وجہ سے کچھ لوگوں نے قولاً نہیں تو عملاً آئمہ دین اور فقہاء و مجتہدین کو أرباب من دون اللہ کا درجہ دے رکھا ہے بلکہ بعض لوگوں نے اپنے آپ کو مجتہدِ مستقل سمجھ کر اسلاف سے بے نیازی کا طریقہ اختیار کرلیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ایک سبق آموز واقعہ؛ ڈاڑھی بے قصور

دورانِ تعلیم اُنہوں نے ایک بار چک نمبر ۳۶، ضلع فیصل آباد، ستیانہ کے ایک نوجوان کا واقعہ سنایا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ایک نوجوان نے علما کی وعظ ونصیحت کے نتیجے میں یا خود مطالعہ کرکے اپنے چہرے کو سنتِ رسول سے مزین کیا۔ جب بھی اس سے کوئی دنیاوی معاملے میں چھوٹی موٹی کوتاہی سرزد ہوتی تو اسے اہلِ خانہ اور رشتہ دار ڈاڑھی کا طعنہ دیتے کہ ڈاڑھی رکھ کر تو اس طرح کرتا ہے جسے سن کر اسے بہت تکلیف ہوتی۔ جس طرح آج معاشرے میں ڈاڑھی کا مذاق اور ڈاڑھی والے شخص کو معمولی سمجھ کر ہر اعتراض اس کی ذاتی غلطی کی بجائے ڈاڑھی کا طعنہ دے کر بیان کیا جاتا ہے۔ اس نوجوان نے بھی دل برداشتہ ہوکر اپنی ڈاڑھی منڈوادی یعنی سنتِ نبویؐ کو شہید کروا کر گھر میں آکر کہنے لگا کہ اب تو مجھے تم ڈاڑھی کا طعنہ نہ دیا کرو گے؟

مہمان نوازی

مہمانوں کی خدمت اور عزت افزائی آپ کی زندگی کا معمول تھا۔ ذاتی مہمان ہو یا جامعہ کا، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور فرمایا کرتے کہ مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دور دراز سے محبتیں اور عقیدت لے کر ہمارے پاس آتے ہیں۔ ان کا اکرام بہت ضروری ہے کیونکہ مہمان نوازی سنتِ انبیا ہے۔ خصوصاً حضرت ابراہیمؑ بڑے مہمان نواز تھے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اِکرام کرے۔ اکرام سے مراد مرغن غذائیں، ذائقے دار کھانے اور باتکلف اَنواع واقسام کے پھل نہیں بلکہ جو کچھ آسانی سے یا جو گھر میں موجود ہو مثلاً چنے کی دال وغیرہ، وہی مہمان کے سامنے دسترخوان کی رونق بنادی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج اس بات کا بھی علما میں فقدان ہے۔

پانچ وتر کی ادائیگی

ہر ماہ رمضان المبارک کو جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کے لیے چندے کی غرض سے آپ ہمارے ہاں مرکزی جامع مسجد محمدی اہلحدیث کوٹ رادھا کشن میں تشریف لاتے۔ آج سے کوئی دس

www.KitaboSunnat.com

سال قبل کا واقعہ ہے کہ آپ کو امام مسجد نے نمازِ وتر کی امامت کے لیے کہا۔ عام طور پر ہمارے نمازی حضرات ایک وتر پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ماہ رمضان المبارک میں باجماعت وتر تین ہی ادا ہوتے ہیں۔ آپ نے تین کی بجائے پانچ وتر پڑھائے جس سے نمازیوں اور خواتین میں کافی بے چینی محسوس کی گئی کچھ حضرات تو کہہ رہے تھے کہ آپ نے پانچ کیوں پڑھائے؟ بعض کہہ رہے تھے کہ آپ بھول گئے اور بعض نے تین ہی ادا کرلیے۔ مسجد میں ایک عجیب ماحول تھا۔ میں نے اور بعض نمازیوں نے جب دریافت کیا کہ آپ نے پانچ وتر پڑھانے تھے تو پہلے بتادیتے۔ فرمانے لگے کہ ہوسکتا ہے کوئی کثرت رکعات کی وجہ سے جماعت سے پڑھتا یا نہ پڑھتا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ آج انہیں پانچ وتر پڑھادوں تاکہ یاد رکھیں کہ پانچ وتر پڑھنے بھی سنتِ رسولﷺ ہیں۔

تراجم اور تصانیف

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ فرمایا کرتے تھے کہ تصنیف، تدریس اور تقریر کی خوبیاں اور اَوصاف کا بیک وقت کسی ایک شخص میں جمع ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ کوئی مصنف ہے تو مدرّس نہیں، بہترین مدرّس ہے تو مقرر نہیں اور اگر میدانِ خطابت کا شہسوار ہے تو تصنیف کے میدان میں نہیں چل سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تینوں اَوصافِ بالا سے نوازا تھا۔ آپ کی چند اہم تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

① **میلادِ مروّجہ کی شرعی حیثیت:** طالبِ علمی کے آخری دور میں آپ نے ایک رسالہ لکھا جسے مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان نے کئی سال تک شائع کرکے ملک بھر میں مفت تقسیم کیا۔

② **فضائل علم وعلما:** حافظ ابنِ قیمؒ کی کتاب 'مفتاح دارالسعادۃ' کا اُردو ترجمہ کیا۔ (مطبوعہ)

③ **ترجمہ الکامل للمبرد:** فاضل عربی کے نصاب سے باب الخوارج تبدیل کرکے غالباً ۱۹۷۴ء میں الکامل للمبرد کے ابواب ضرب الامثال کے کچھ حصہ جات داخل نصاب کیے گئے۔ اس وقت اصل کتاب کا حصول بھی مشکل تھا، اس دور میں آپ نے اصل کتاب کا ترجمہ مع اصل عبارت تحریر کیا جو تاحال نصاب میں شامل ہے۔

④ **اسلامی آداب:** جس میں روزمرہ کے معمولاتِ زندگی کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیا

www.KitaboSunnat.com

گیا۔ (مطبوعہ)

⑤ **مشکوٰۃ المصابیح** از خطیب بغدادی عمری (متوفی ۷۳۴ھ) کا ترجمہ مولانا عبدالحلیم علوی فاضل عربی کے نام سے کیا جو تا حال مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔

⑥ شیخ الحدیث مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کی سرپرستی میں علماے اہلحدیث کے حالاتِ زندگی پر کافی محنت کی اور ایک ضخیم کتاب تیار ہوگئی تھی، لیکن شائع نہ ہوسکی۔

⑦ إعجاز القرآن از علامہ نعیم حمصی ۱۹۶۲ء میں مصر سے طبع ہوئی جس میں ہر صدی میں اعجاز القرآن پر لکھنے والوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا تھا۔ یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب تھی، شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے توجہ دلوانے پر اس کا ترجمہ کیا جو تقریباً چھ ماہ تک مسلسل ماہنامہ 'پیامِ حق' کراچی میں قسط وار شائع ہوا۔ اگرچہ مستقل طور پر یہ کتاب شائع نہیں ہوسکی۔

⑧ **توفیق الباری شرح صحیح بخاری:** کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ میں نے ۱۴۰۰ھ میں بخاری شریف کا درس دینا شروع کیا تھا۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ ان سطور کی ترقیم تک پچیسواں دور اختتام پذیر ہوا ہے۔ جبکہ طالبات کے ایک مدرسہ میں بھی متواتر دس بارہ مرتبہ صحیح بخاری پڑھائی ہے۔ غرض مجموعی طور پر پینتیس، چھتیس بار بخاری شریف ختم کرنے کی اللہ پاک نے سعادت نصیب فرمائی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بندہ ناچیز سے پہلے علم کے اساطین بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ بندہ علم وعمل کے اعتبار سے کسی طور خود کو اس کا اہل نہیں پاتا اور پھر دورانِ تعلیم اور بعد از تعلیم بخاری شریف پڑھانے والوں کے تذکرے مجھ جیسے علم وعمل سے تہی دامن انسان کو اپنی کوتاہ قامتی کا مزید احساس دلاتے۔

ایک ایسے جامعہ میں جس کا شاندار ماضی اور تابناک حال ہو، میں خود کو بہت کوتاہ خیال کرتا تھا اور ناکامی کا اندیشہ عزم کو متزلزل کئے دیتے تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آخر کار اس مشکل فرض کو نبھانے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ ایک سرسری اندازہ کے مطابق مجھ سے سات، آٹھ صد طلبہ اور تین صد کے قریب طالبات نے بخاری شریف پڑھی ہے۔ ان میں ہر طرح کے طلبا شامل رہے ہیں۔ ذہین سے ذہین تر بھی اور ایسے بھی جو بلوغ المرام سے لے کر بخاری شریف

www.KitaboSunnat.com

تک احادیثِ مبارکہ کی صرف سماعت ہی کرتے رہے ہیں۔ جو کبھی بھول کر بھی نہ قراءتِ حدیث کرتے اور نہ ہی اُستاد صاحب کے کسی سوال کا جواب دینے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔

ہمارے ایک استاد صاحب ایسے نا لائق طالب علموں کو 'ہیولیٰ' کہا کرتے تھے۔ ہیولیٰ ایسی گوندھی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں جس سے کمہار برتن تیار کرتا ہے، کبھی اس سے پیالہ بنا رہا ہے تو کبھی لوٹا تیار کر رہا ہے اور وہ ہیولیٰ اس کے ہاتھوں لاچار و بے بس ہر شکل اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ بحمداللہ میں نے اپنے طلبا کے اعتراضات کا کبھی برا نہیں منایا بلکہ ہمیشہ ان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ہمارے ایک استاد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ آج جبکہ میں تمہیں پڑھا رہا ہوں تو تمہارا شاگرد ہوں اور کل جب تمہارا سبق سنوں گا، تمہارا اُستاد ہوں گا۔ اس وقت ان باتوں کی سمجھ نہیں آتی تھی ۔ تدریس کے دوران اس جملے کی معنویت کا پتہ چلا کہ استاد کا کام سبق کے معاملہ میں اپنے شاگرد کو مطمئن کرنا ہے۔ خواہ پندرہ یا بیس بار اپنا سبق پوچھے اور اُستاد ہر طرح کے شکوک وشبہات کو دور کرتا ہے تاکہ اگراگلے دن جب اُستاد سبق سنے تو وہ یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے سمجھ ہی نہیں آئی تھی یا آپ نے یہ باتیں تو بتلائی ہی نہ تھیں۔

طالبِ علم کو طلبِ علم میں کوئی شرمندگی یا حیا نہیں کرنا چاہیے کہ میں نے اگر یہ بات پوچھی تو میرے ساتھی اور ہم درس میرا مذاق اُڑائیں گے کہ ایسی آسان بات کا بھی اس کو پتہ نہیں ہے۔ اسی لیے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ علم کے بارہ میں حیا اور شرم کرنے والا طالبِ علم یا تکبر کی وجہ سے علم کی بات استاد سے نہ پوچھنے والا علم حاصل نہیں کرسکتا :

أخي لا تنـــال العلم إلا بِستَّـــة　　　سأنبئك عن تفصيلها ببيان

ذكاء وحرص واجتهاد و صحة　　　وصحبة أستاذ وطول زمان

''میرے بھائی! چھ چیزوں کے بغیر تو علم حاصل نہیں کرسکتا۔ جس کی تفصیل میں تمہیں بیان کرتا ہوں۔ وہ ذہانت، علم سے شغف، محنت اور درستگی علم، طویل مدت اور استاد کی رفاقت ہیں۔''

اسی لیے کہا جاتا ہے السائل کالأعمی ذہن میں جو صحیح یا غلط بات کھٹکے، استاد صاحب سے اس کی وضاحت کروالینی چاہیے۔ میں اپنے طلبہ کی اس سلسلہ میں ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتا ہوں کہ جہاں کوئی شبہ پڑتا ہے تو وہ پوچھ لو یا اس کا جواب پوچھ لو۔ پھر دونوں ہی بتلانے پڑتے ہیں ۔ کیونکہ مطالعہ نہ کرنا ایک وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے ۔ جب ہم پڑھا کرتے تھے تو

www.KitaboSunnat.com

عموماً اس وقت مدارس میں صحیح علم کی جستجو اور حاصل کرنے کا جذبہ پایا جاتا تھا، لیکن اب طلبہ چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد سندِ فراغت حاصل کرلی جائے۔ المیہ یہ ہے کہ کبھی ہمارے درسِ نظامی میں ساٹھ علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے جن کی تفصیل میں امام غزالیؒ نے رسالہ لکھا اور اپنے زمانہ کے علوم متعارف کروائے جبکہ تعلیم کا دورانیہ پندرہ بیس سال ہوا کرتا تھا اور اب تو ہمارے تعلیمی مدارس بڑے فخر سے بڑی اشتہار بازی کے ساتھ طلبہ کی توجہ مبذول کرواتے ہیں کہ دوسال میں درسِ نظامی پڑھانے کی گارنٹی دے رہے ہیں۔

ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ رمضان ۱۴۲۶ھ میں اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا کہ چند مشہور اور مستند شروح کے تمام مباحث کو اُردو کے قالب میں ڈھالا جائے۔ خدا کی حکمت تھی کہ یہ خیال اس وقت نہ آیا جب جذبے جوان اور ہمتیں بیدار تھیں۔ اب پینسٹھ برس کی عمر اور پچھلے چودہ برس سے دل کی بیماری میں مبتلا ہوں تو اب وہ محنت نہ ہوسکتی ہے۔ کئی دن کے سوچ بچار کے بعد نگاہِ انتخاب اپنے بیٹے ڈاکٹر حافظ عبدالکریم محسن فاضل وفاق المدارس پر پڑی۔

ڈاکٹر صاحب اِنہی دنوں ملنے کے لیے اوکاڑہ آئے تو اپنا منصوبہ ان کے سامنے پیش کیا پہلے تو بہت پس وپیش کرتے رہے کہ میرا میدان ہی مختلف ہے۔ یہ کام تو کسی شیخ الحدیث کا ہے، لیکن میں متواتر ان کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ اس عظیم کام کے لیے تیار ہوئے۔

میرا اپنے بیٹے عبدالکبیر کے بارے میں بچپن سے یہ مشاہدہ ہے کہ کبھی خیر کی دعوت کو مسترد نہیں کیا۔ میری ہدایات اور مشورے ان کے شامل حال رہے ہیں اور نظر ثانی کا کام نہایت جانفشانی سے انجام دیا ہے۔ الحمدللہ میں مطمئن ہوں کہ جس طرح میری خواہش تھی اسی طرح کام ہوا ہے۔ ان کی صلاحیتوں سے مجھے یہی اُمید تھی۔ الحمدللہ

عمر کے اس آخری حصہ میں سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ خود یہ کام کرتا، لیکن اب یہ اطمینان ہے کہ خود نہیں تو اپنے جسم کے ایک حصہ ہی نے کیا ہے۔ بہرحال میں نے ابتدا کردی ہے، اب کہاں تک کام پہنچتا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

ملکی تحریکوں میں کردار

وطنِ عزیز میں اب تک تحریکِ ختم نبوت، تحریکِ نظامِ مصطفیٰ اور تحریکِ تحفظ ناموسِ

www.KitaboSunnat.com

رسالت ﷺ سمیت جتنی بھی دینی تحریکیں شروع ہوئی ہیں، آپ نے دورانِ طالب علمی سے لے کر تادم آخریں عملاً درس وتدریس اور خطبہ جمعہ میں اپنے طلبہ اور سامعین کی اس سلسلہ میں بھر پور رہنمائی کی۔

زندہ دلی اور ہنس مکھ

ان کے ساتھ واجبی تعلق والے لوگوں کے لیے وہ ایک سنجیدہ اور کم ہنسنے والے فرد تھے، جبکہ حقیقت میں وہ نہایت زندہ دل اور ہنس مکھ شخصیت کے مالک تھے۔ان کے قریبی دوست جناب حافظ احمد شاکر مدیر 'الاعتصام' لاہور، مولانا عبدالرحمٰن گوہڑوی، مولانا محمد اسحٰق قادر آبادی، قاری عبدالرؤف فیصل آبادی، بھائی محمد حنیف، حکیم عبدالواحد یزدانی وغیرہ جانتے ہیں کہ وہ نہایت زندہ دل اور ہنسنے ہنسانے والے شخص تھے۔ جب موڈ میں ہوتے یا مجلس ایسی رنگت اختیار کرلیتی تو وہ اپنے اور دیگر علما اور دوستوں کے بے شمار دلچسپ واقعات سناتے۔

کیمیا گری وطب میں دلچسپی

معاشرے میں ہر طرح کے انسان آباد ہیں مگر ان میں سونا تیار کروانے والوں کی اپنی الگ دنیا ہے کیونکہ سونا تیار ہوتے ہوتے ایک آنچ کی کسر ہر بار رہ جاتی ہے۔استادِ محترم کا بھی ایسے لوگوں سے کافی لگاؤ اور اس میں دلچسپی تھی۔مگر کس حد تک بقول مولانا احمد شاکر اپنی رقم سے کبھی تجربہ نہیں کیا بلکہ اس فن کے شوقین لوگوں کے ساتھ شامل ہوکر تجربہ کرتے تھے۔خود اُنہوں نے اپنی جیب سے اس سلسلے میں رقم خرچ نہیں کی تھی البتہ طبی حوالے سے بھی رہنمائی کرتے رہتے تھے۔

تلامذہ

آپ کے زیر سایہ تربیت اور علم حاصل کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے جو اس وقت پاکستان بھر کے مختلف اضلاع کے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، مساجد و مدارس اور دیگر ممالک میں قرآن وسنت کی اشاعت وترویج میں مصروف کار ہیں۔ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

قاری محمد خالد مجاہد آف پتوکی قصور، ڈاکٹر حافظ عبدالکبیر محسن راولپنڈی، حافظ عبدالواحد

www.KitaboSunnat.com

اعوان امریکہ، مولانا محمد اشرف غوری پاک آرمی، مولانا محمد رمضان شاکر شام کوٹ قصور، شیخ الحدیث مولانا زید احمد فاضل مدینہ یونیورسٹی، حافظ حسن محمود کمیر پوری پتوکی قصور، قاری سیف اللہ عابد ڈھولہ خطیب خانیوال، حافظ محمد ادریس ضیاء وہاڑی، ڈاکٹر عبدالغفور راشد لاہور، حافظ محمد اعظم بن رجب گلگت، مفتی مولانا محمد یوسف قصوری کراچی، مولانا سید شفیق الرحمٰن چشتی جھنگ، قاری اظہار احمد جامعہ عزیزیہ ساہیوال، مولانا محمد عباس طور جھوک دادو فیصل آباد، مولانا محمد حامد لکھوی دیپالپور اوکاڑہ، مولانا عبدالودود زاہد خطیب بھوئے آصل قصور، مولانا عبدالمجید صوبہ بدخشاں افغانستان، حافظ سیف اللہ کمیر پوری سرگودھا، قاری عبدالرزاق طاہر الہ آبادی، مولانا قاری عبداللہ طیب وہاڑی اور راقم الحروف حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاہروی ودیگر شامل ہیں۔

حملہ قلب اور بیماری کا شدید حملہ

پہلی بار آپ کو ۱۹۹۲ء میں دل کا دورہ پڑا، تقریباً چھ ماہ صاحبِ فراش رہے۔ اس کے بعد ۱۳؍جون ۱۹۹۹ء کو بیماری کا شدید حملہ ہوا اور دو دن بے ہوش رہے۔ اس کے بعد ان کو علاج معالجہ کے لیے الشفاء ہسپتال اسلام آباد اور سی ایم ایچ راولپنڈی لے جایا گیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ دوائیاں کھاتے ہوئے تیرہ سال گزر گئے۔ اُردو محاورہ کے مطابق یہ بڑے دل گردہ کی بات ہے، دل مریض ہو چکا اور گردے متاثر ہوگئے ہیں اور اب مجموعہ امراض بن چکا ہوں۔ مولانا ظفراللہ لکھوی صاحب ناظم دفتر جامعہ محمدیہ اوکاڑہ نے جنازے کے موقعہ پر بتایا کہ ان کے صاحبزادے حافظ عبدالوحید علاج معالجہ کے سلسلے میں ان دنوں اُنہیں امریکہ اپنے پاس منگوانے کی تیاری میں مصروف تھے۔

آخری ملاقات اور وفات

۲۸؍اکتوبر ۲۰۰۷ء کو آپ کے صاحبزادے محمد عمران کے دعوتِ ولیمہ کے موقع پر آپ کے ہاں اوکاڑہ میں حاضر خدمت ہوا۔ آپ کے پاس کچھ لمحات بیٹھنے کا موقعہ ملا تو آپ کے ساتھ بعض اُمور پر تبادلہ خیال بھی ہوا۔ آپ سے اجازت لے کر واپس کوٹ رادھا کشن آ گیا۔ اس کے بعد آپ نے میرے ساتھ دو بار فون پر گفتگو فرمائی۔ آپ کے بھتیجے قاری عبدالباقی بن مولانا عبدالحکیم پتوکی نے ۷؍دسمبر ۲۰۰۷ء کو صبح دس بجے فون پر اطلاع دی کہ تایا جی شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم آج صبح انتقال کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

www.KitaboSunnat.com

زندگی کے آخری لمحات اور نمازِ جنازہ

۷؍دسمبر کو صبح تہجد کے وقت طبیعت اچانک زیادہ خراب ہوگئی۔آپ کو فوری ڈسٹرکٹ ہسپتال اوکاڑہ کی ایمرجنسی میں ڈاکٹر زعیم الدین لکھوی کے پاس لے جایا گیا۔آپ کے ساتھی محمد عمران اور عبدالحئی عابد نے بتایا کہ راستے میں ہمیں کہہ رہے تھے کہ پڑھو اور خود بھی گھر سے ہسپتال تک زبان سے پڑھتے رہے اور ان کی زبان پر مختلف کلمات کا ورد جاری تھا۔ڈاکٹر صاحب چیک کررہے تھے۔آپ نے صاحبزادگان سے پانی طلب کیا کچھ پیا اور مسکرائے۔ اس کے بعد دو چار ہچکیاں لیں اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی نمازِ جنازہ اوکاڑہ کی مرکزی جنازگاہ میں عصر کے بعد ادا کی گئی اور امامت کے فرائض حافظ محمد مسعود عالم بن مولانا محمد یحییٰ شرقپوری نے انجام دیے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُستاذی المکرّم کی دینی،علمی اور تدریسی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے اور ان کو جنت الفردوس میں مقام دے۔ان کی اولاد اور تلامذہ کو صبر کی توفیق دے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

بہت ہوئے دنیا میں شام و سحر پیدا
مگر صدیوں میں ہوتا ہے کوئی دیدہ وَر پیدا

محدث کے سالانہ خریداروں سے گزارش

سال ۲۰۰۷ء/۲۰۰۶ء میں مدتِ خریداری ختم ہونے پر محدث کے خریداروں کو بذریعہ پوسٹ کارڈ اطلاع دی گئی لیکن بعض خریداران نے ابھی تک تجدید نہیں کروائی۔ایسے خریدار جنہوں نے دسمبر ۲۰۰۶ء کے بعد زرِتعاون جمع نہیں کرایا، ان سے گزارش ہے کہ وہ جنوری ۲۰۰۸ء تک زرِسالانہ بھیج کر تجدید کروائیں بصورتِ دیگر اُن کے نام محدث کی ترسیل بند کردی جائے گی۔مزید برآں جن خریداران کو دسمبر ۲۰۰۷ء سے مدتِ خریداری ختم ہونے کے پوسٹ کارڈ بھیجے گئے ہیں، وہ بھی پہلی فرصت میں ادائیگی فرمادیں۔اگر خدانخواستہ آئندہ محدث کی خریداری جاری نہیں رکھنا چاہتے تو تب بھی بذریعہ خط یا فون فوری مطلع فرمائیں۔ شکریہ!

حالیہ اور سابقہ سالوں کی محدث کی مکمل جلدیں دستیاب ہیں، شائقین فوری رابطہ کریں!

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol.40 No.1
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
  لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700